© rasailojaraid.com

پروفیسر میاں انعام الرحمٰن ☆

سیرت نبوی اور ہجرت: ایک معنویاتی مطالعہ

ہجرت، قدیم دور سے ہی انسانی زندگی کا لازمہ رہی ہے۔ تاریخ عالم کی کسی بھی کتاب کی ورق گردانی کر لیجیے، اس میں آپ کو حضرت انسان بار بار رختِ سفر باندھتا دکھائی دے گا۔ کہیں انسان کی بے بسی کے دل دوز مناظر ملیں گے تو کہیں عزم و ہمت کی تاریخ ساز داستانوں سے واسطہ پڑے گا۔ لیکن یہ صرف انسان ہی نہیں ہے جس کے نصیب میں مسلسل سفر لکھا ہے، بلکہ ہجرت کا مظہر چرند پرند سے لے کر نباتات اور جمادات تک پھیلا ہوا ہے۔ تند و تیز ہوائیں، نباتاتی بیجوں اور پرندوں کو زبردستی اٹھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں۔ بعض جانور اور پرندے خود بھی صحرا نوردی اور جہاں گردی کا مزہ چکھتے ہیں اور ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں ہجرت کر جاتے ہیں۔ ارضیاتی مطالعہ بتاتا ہے کہ دریا اپنے رخ بدل لیتے ہیں، چشمے خود پیاسے ہو جاتے ہیں، اور زمینیں کٹاؤ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کہیں پہاڑ اپنا وجود کھو دیتے ہیں اور کہیں نئے ٹیلے ابھر آتے ہیں۔ ساحلی علاقے سمندر بن جاتے ہیں اور سمندر میں ہی چند نئے جزیرے سر نکال کر آسمان کو تکنے لگتے ہیں۔ کہیں جنگلات معدوم ہو جاتے ہیں اور کہیں جنگلات کی تازہ بستیاں آباد ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ زلزلے، طوفان اور سیلاب، قیامت تو برپا کرتے ہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ منجمد زندگی کو بھی ایسی مہاجرت سے نوازتے ہیں جس میں زمین کی زرخیزی اور انسانی عزم جیسے عناصر گھل مل کر بوقلمونی کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔ یوں ہجرت، انسانی زندگی کا نہیں، بلکہ خود زندگی کا ایک آفاقی مظہر بن جاتی ہے۔

مذہبی قصوں میں ہجرت کا تذکرہ

تاریخِ عالم کے وہ ابواب جن میں مذہبی قصوں کا ذکر ہے، ہجرت کے تذکرے سے خالی نہیں ہیں۔ مذہبی قصوں میں ہجرت کی روداد، اساطیری روپ دھار لیتی ہے۔ آدم و ابلیس کا قصہ، جسے ہر الہامی مذہب کے قصوں میں کلیدی اہمیت حاصل ہے، ایک خاص پہلو سے ہجرت ہی کی داستان ہے۔ قرآن کے مطابق شیطان کے بہکاوے میں آ کر آدمؑ و حوا نے ایک غلطی کی اور اسی غلطی کی پاداش میں انھیں جنت سے نکال دیا گیا۔ چونکہ ہبوطِ آدمؑ میں خود آدمؑ کا اپنا اختیار شامل نہیں تھا، اس لیے زمین پر انسانی زندگی ایک پہلو سے، جلاوطنی کے مانند محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ صرف جلاوطنی بھی نہیں، کیونکہ آدمؑ کو توبہ

☆ مکان نمبر 475، گلی شیخ غلام حسین، بازار بھابھڑیاں، گوجرانوالہ۔ inaam1970@yahoo.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی توفیق دی گئی تھی اور اللہ رب العزت نے توبہ قبول کرنے کے علاوہ آدمؑ کو ہدایت بھی بخش دی تھی۔(قَالاَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ / فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ / ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى) اس قصے میں توبہ کا عنصر، جلاوطنی کے سزاوالے پہلو کو ختم کر کے جنت کی طرف واپسی کا مژدہ سناتا ہے۔(وَلَكُمْ فِي الأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ/ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُون)واپسی کا یہ مژدہ نہایت اہم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس سے قصہ آدم و ابلیس میں جلاوطنی کے بجائے نہ صرف ہجرت کا پہلو درآتا ہے بلکہ ہجرت کی ایک بڑی خصوصیت ''واپسی'' نہایت وضاحت کے ساتھ مشخص ہو جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ ہجرت، اساطیری سطح پر جلاوطنی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ جنت کی طرف واپسی اور واپسی کی شرائط پوری کرنے کا ایک عظیم چیلنج منسلک ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً کے مصداق عہد کی پاسداری کی خاطر، گم گشتہ عزم کی بازیافت ہی اس چیلنج کا جواب ہے اور اس کے مقابل ابلیس کو قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَى يَومِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ / قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ کے مصداق، عزم پر مسلسل وار کرنے کی مہلت بھی دے دی گئی ہے۔ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الأَرْضِ وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلاَّ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ / قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۔لہٰذا انسانوں میں سے جو کوئی پر عزم ہوگا، وہ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى / إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلاَّ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ کے مطابق سرخرو ہو کر جنت کا مستحق ہوگا اور جس کا عزم (عہد شکنی کے باعث) ابلیس کے ہاتھوں منتشر ہوگا، وہ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى / إِلاَّ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ کے مطابق ذلیل ورسوا ہو کر جہنم کا ایندھن بنے گا۔لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ / وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۔لہٰذا قرآنی اساطیری تناظر میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسان ایک بار شکستہ عزم کے باعث، عہد شکنی کا ارتکاب کر کے، بے لباس ہو کر (بَدَتْ لَهُمَا سَوْءَاتُهُمَا)جنت سے زمین پر اتر آیا ہے۔اس کی دوبارہ بے عزمی اسے بے لباس کر کے تحت الثریٰ تک لے جائے گی۔ (يَا بَنِي آدَمَ لاَ يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَاتِهِمَا) جبکہ عہد کی پاسداری کرتے ہوئے گم گشتہ عزم کی بازیافت، جو لباسِ تقویٰ کی صورت میں رونما ہوگی، يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَىَ ذَلِكَ خَيْرٌ، جنت کی طرف واپسی کا مژدہ سنائے گی۔

سیرت نبوی میں ہجرت کی معنویت

انسانی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سوسائٹی کی آلودگی اور اس کی تطہیر ایسا phenomenon ہے جو بار بار وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔ایک بار تطہیر کے بعد، مرورِ ایام سے مختلف اقسام کی جزوی اور وقتی آلائشوں سے، سوسائٹی آلودہ ہوتی رہتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراس کی بار بار تطہیر کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔سوسائٹی کی آلودگی کے پیچھے عموماً انسان کی (فرد اور گروہ کی سطح پر) سرکشی (كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى) کارفرما ہوتی ہے اس سرکشی کی بنیادی وجہ انسان کی (فرد اور گروہ کی سطح پر) بے نیازی (أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى) ہے۔نفسی ہجرت، فرد اور گروہ کی سطح پر انسان کو ایسی بے نیازی سے ہی بے نیاز کرنے کا کام کرتی ہے۔نفسی ہجرت کے طفیل، انسان (فرد اور گروہ کی سطح پر) اپنے وجود کو، سماجی بندشوں کے وقتی اور عارضی سیاق وسباق میں دیکھنے کے بجائے آغاز وانجام کے وسیع تر تناظر میں دیکھتا ہے۔وہ اپنے آغاز سے آگاہ ہو جاتا ہے (خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَق)، اسے اپنے انجام کی بھی خبر ہو جاتی ہے (إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى)۔یہ آگہی انسان کو ایسی جرات مندانہ ذمہ داری (عزم) سے نوازتی ہے جس کے سامنے سوسائٹی کے آلودہ عارضی بندش، خس وخاشاک کی طرح بکھر جاتے ہیں۔

الہامی مذاہب میں اسلام آخری مذہب ہے، اس لیے اسلام کے پیغمبر کو بھی رسالت ونبوت کے خاتم ہونے کا شرف حاصل ہے۔اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی یہ حیثیت بجا طور پر تقاضا کرتی ہے کہ تاریخِ انسانی میں ہجرت کی بے پایاں اہمیت کے پیش نظر، ہجرت اپنی تمام تر معنوی ابعاد کے ساتھ قرآن وسنت میں جلوہ افروز ہو۔پیغمبرِ اسلام ﷺ کی اسی خاتمیت کے پیشِ نظر، اسلام نے نفسی ہجرت کا تسلسل (continuity) نبی خاتم ﷺ کی امت میں باقی رکھا ہے تاکہ امت کے افراد شخصی (اور گروہی) حیثیت میں، سوسائٹی کی سرکشی اور بے نیازی کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنے محدود ماحول کی قیود سے بالاتر ہو کر، اپنے نبی ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سماجی تطہیر کی ذمہ داری، عزم کے ساتھ پوری کر سکیں۔

اس سلسلے میں ہم آئندہ سطور میں نبی خاتم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہجرت کے معنوی ابعاد تلاش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

نفسی ہجرت اور گم گشتہ عزم کی بازیافت

ہجرت کی پہلی بُعد غارِ حرا میں نبی خاتم ﷺ کے استغراق وانہماک اور محویت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔غارِ حرا میں آپ ﷺ کے تشریف لے جانے میں دو بنیادی حقائق پوشیدہ ہیں۔اول یہ کہ سوسائٹی سے الگ ہو کر اس ''عزم'' میں پختگی پیدا کی جائے جو سوسائٹی کی روحانی واخلاقی آلودگی کے پیشِ نظر سوسائٹی سے علیحدگی کا سبب بنا ہے۔دوم یہ کہ زندگی کے ایسے آفاقی اصول جو سوسائٹی کی بندشوں اور آلائشوں سے بالاتر ہیں لیکن سوسائٹی کے لیے ہی ہیں، ان تک رسائی حاصل کی جائے۔بلاشبہ ایسے اصولوں کا ادراک اپنے ماحول سے اٹھ کر ہی کیا جا سکتا ہے، اپنے ماحول کا حصہ بن کر نہیں۔صرف اسی صورت میں انسانی زندگی کے وقتی، جزوی اور سفلی پہلوؤں کے بجائے علویت، آفاقیت، کلیت اور ابدیت پر مبنی حقائق منکشف ہوتے ہیں:

''اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ''

اگر کوئی فرد اپنے ماحول سے اٹھ کر (سوسائٹی کا چیلنج قبول کرتے ہوئے) اس قسم کے تجربے سے بہرہ مند ہوتا ہے اور پھر واپس سوسائٹی کا رخ نہیں کرتا یا سوسائٹی میں واپس آ کر باقی ماندہ زندگی بغیر کسی سرگرمی کے گزار دیتا ہے تو اس کا اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحول سے اٹھ کر علویت و آفاقیت اور کلیت کو پالینا چیلنج کو قبول کرنے کے بجائے لایعنیت اور لہو ولعب کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس تجربے کے بعد سوسائٹی کی طرف فعال واپسی اسی قدر ناگزیر ہے جس قدر علویت و آفاقیت پانے کے لیے اپنے ماحول سے اٹھنا ضروری ہے۔ لہٰذا چیلنج قبول کرتے ہوئے ایسے داخلی عزم کے ساتھ سوسائٹی سے علیحدگی اختیار کرنا کہ نہ صرف سوسائٹی کی طرف واپسی ہوگی بلکہ یہ واپسی ایک فعال واپسی ہوگی، نفسی ہجرت کی ایک قسم ہے۔ نبی خاتم ﷺ الہیاتی حکمت کے عین مطابق غارِ حرا میں نفسی ہجرت کے ایسے ہی بیش بہا تجربے سے سرفراز ہوئے۔ جلد ہی نفسی ہجرت کے بے مثال ثمر ''عزم کا شخصی اظہار'' شروع ہو گیا۔ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو حکم دیا گیا: وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۔ حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں کو دینِ حق کی دعوت دی، لیکن آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے درمیان میں لقمے دے کر حاضرین کو منتشر کر دیا۔ اب ایک طرف نبی مکرم ﷺ کا عزم تھا اور دوسری طرف ابلیسی قوتیں اس عزم کو منتشر کرنے کے درپے تھیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ دعوتِ حق دی۔ لوگ منہ پھیر کر اپنی راہ لینا چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے (جو اس وقت طفلِ نابالغ تھے) آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس پر آپ ﷺ کے قرابت دار ہنستے قہقہے لگاتے چلے گئے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کے عزم میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور حق کی دعوت دی۔ ابلیسی قوتوں نے، جن کا سرخیل ابولہب تھا، آپ ﷺ کے عزم کو یہ کہہ کر ملیامیٹ کرنے کی ناکام کوشش کی: تبا لك سائر الايام الهذا دعوتنا؟ ''تو ہمیشہ ہلاکت و رسوائی کا منہ دیکھے۔ کیا تو نے اسی غرض سے ہم کو جمع کیا تھا''۔

نفسی ہجرت کے بعد، اللہ رب العزت سے عہد کی پاسداری میں وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ، نبی خاتم ﷺ نے کفارِ مکہ کے حوصلہ شکن اقدامات کے مقابل جس عزم کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ عزم درحقیقت آدمؑ کے گم گشتہ عزم کی بازیافت ہے: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (مایوسی کے بجائے صبر کرنا عزم پر دلالت کرتا ہے) چونکہ آپ ﷺ نبی خاتم ﷺ ہیں، اس لیے عزم کی اس بازیافت میں کاملیت موجود ہے۔ اس حوالے سے نبی خاتم ﷺ کی حیاتِ مطہرہ، بلاشبہ عظیم معجزہ ہے۔ اس کامل عزم کی تفصیلات سیرت کی مختلف کتب میں تفصیلاً منقول ہیں۔ یہاں ہم نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سے صرف ایک واقعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

آپ ﷺ کے معاون و پشت پناہ، مونس و غم خوار چچا حضرت ابوطالب نے جب قریش کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر آپ ﷺ سے کہا کہ اے جانِ عم! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ میں اٹھا بھی نہ سکوں، تو جواب میں نبی خاتم ﷺ نے جو کلمات ارشاد فرمائے، عہد کی پاسداری کی تاریخ میں وہ بلاشبہ عزم کی معراج ہیں:

> ''قسم ہے رب العزت کی، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے اس فریضے سے باز نہیں آؤں گا۔ اگر آپ میری حمایت نہیں کر سکتے تو بھی پرواہ نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کام سرانجام دے رہا ہوں، اسی کی حفاظت میرے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ یا تو اس کام کو پورا کرے گا یا میں اس کے لیے اپنی جان قربان کر دوں گا''۔

حضرت ابوطالب اس جواب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا، جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کر سکے گا۔

یہاں اس امر کا بیان برمحل ہوگا کہ شیطان نے آدمؑ کے عزم پر اس ترغیب سے وار کیا تھا: قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ/ قَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَـٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ،اور آدمؑ، فرشتگی وہمیشگی اور سلطنتِ لازوال کے چکر میں اپنے عہد سے غافل ہو گئے اور پھسل گئے۔ اس کے برعکس نبی خاتم ﷺ خود پیش قدمی کرتے ہوئے ترغیبات کا رد ایسے اسلوب میں کرتے ہیں جس سے (رب العزت سے ایفائے عہد کی خاطر) آپ ﷺ کا عزم، پختگی کے اعتبار سے ابدیت تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔(۱)

گروہی ہجرت اور اس کے بنیادی لازمے

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نفسی ہجرت کے بعد گروہی ہجرت کا مرحلہ آتا ہے۔ گروہی ہجرت اسی وقت ممکن تھی جب ایک باقاعدہ گروہ موجود ہوتا۔ نبی خاتم ﷺ کی مکی زندگی کے ابتدائی ایام میں چند ہی صالح نفوس نے اسلام قبول کیا تھا اور تقریباً ان سب کو اپنے اپنے متعلقین کی طرف سے معاندانہ رویے کا سامنا تھا۔ کفارِ مکہ کے ظلم وستم کے مقابل ان نفوسِ صالح نے نبی خاتم ﷺ کے تتبع میں بے مثال "شخصی عزم" کا مظاہرہ کیا اور کسی بھی قسم کے سمجھوتے سے صاف انکار کر دیا۔ (۲) یہ صالح نفوس، مکہ کی مشرک سوسائٹی کے مقابل آہستہ آہستہ ایک الگ گروہی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔

ایک گروہ کے تشکیل پاتے ہی یہ بنیادی تقاضا پیدا ہوا کہ کفارِ مکہ کے خلاف شخصی عزم کے ساتھ ساتھ "گروہی عزم" کا بھی اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے گروہی عزم کا "تشکیلی مرحلہ" آتا ہے جس کی خشتِ اول، نبی خاتم ﷺ نے خود رکھی اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ کے الٰہی حکم کی تعمیل میں بیت اللہ میں جا کر بانگِ دہل کلمہ حق کہا۔ کفار چاروں طرف سے آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے، حضرت حارث بن ابی ہالہ کو اس کی خبر ہوئی، وہ دوڑے چلے آئے اور آپ ﷺ کو بچانے کی کوشش میں "شہیدِ اول" کے قابلِ رشک مقام سے سرفراز ہوئے۔ (مسند احمد)

اس خشتِ اول کے بعد صدیقِ اکبرؓ نے گروہی عزم کے تشکیلی مرحلے میں جو کردار ادا کیا، اس کی روداد حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں بیان فرمائی ہے:

> "جب رسول اللہ ﷺ کے مرد صحابہ کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اصرار کیا کہ اب کھل کر اسلام کی دعوت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! ابھی ہم لوگ تھوڑے ہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ اصرار کرتے رہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے کھلم کھلا دعوت وتبلیغ کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمان مسجد حرام کے مختلف حصوں میں بکھر گئے اور ہر آدمی اپنے قبیلے میں جا کر بیٹھ گیا اور حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ اسلام میں سب سے پہلے خطیب ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو علانیہ دعوت دی۔ مشرکینِ مکہ، ابوبکرؓ اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسجد حرام کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو خوب مارا، جبکہ ابوبکرؓ کو خوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارا گیا اور پاؤں تلے بھی روندا گیا۔'' (۳)

حضرت صدیق اکبرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی گروہی عزم کے تشکیلی مرحلے میں صحابہ کرامؓ کی نمائندگی کی۔ سیرت نگار ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مکہ میں جس شخص نے سب سے پہلے پکار کر قرآن شریف پڑھا، وہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ نے صلاح کی کہ آج تک قریش نے بآوازِ بلند قرآن شریف نہیں سنا۔ کوئی ایسا شخص ہو جو ان کو بآوازِ بلند قرآن شریف سنائے۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا، میں سناؤں گا۔ عبداللہ بن مسعود نے حجر اسود کے پاس آ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بآوازِ بلند سورۃ الرحمان کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش مکہ ان کی طرف دوڑے اور خوب طمانچے رسید کیے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی واپسی پر صحابہؓ نے ان کے چہرے پر طمانچوں کے نشان دیکھ کر کہا، ہمیں یہی اندیشہ تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، میں دشمنانِ خدا سے خوف نہیں کھاتا، کل جا کر انھیں پھر سناؤں گا۔ اصحابؓ نے فرمایا، نہیں، بس یہی کافی ہے جو تم آج سنا آئے ہو۔

گروہی عزم کے تشکیلی مرحلے میں حضرت ابوذرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے قبول اسلام کے بعد رسالت مآب ﷺ نے انھیں واپس اپنی قوم میں جانے اور دین حق کی دعوت دینے کا حکم دیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے نبی خاتم ﷺ سے استدعا کی:

"والذی نفسی بیدہ لاصرخن بھا بین ظھرانیھم" (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۳۸۶۱)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں اس کلمہ توحید کا اعلان کافروں میں پورے زور سے کروں گا۔''

اس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے بیت اللہ میں جا کر لوگوں کو دین حق کی دعوت دی۔ مشرکین مکہ نے آپؓ کو خوب مارا۔ حضرت عباسؓ نے (جو ابھی غیر مسلم تھے) آپ کے اوپر لیٹ کر آپؓ کو کفار سے بچایا۔ دبنے کے بجائے، اگلے دن حضرت ابوذرؓ نے پھر دین کی دعوت دی۔ کفار نے آپؓ کو دوبارہ زدوکوب کیا اور حضرت عباسؓ نے مداخلت کر کے آپؓ کی جان بچائی۔ (صحیح بخاری، حدیث ۳۸۶۱)

ایسے واقعات اگر ایک طرف صحابہ کرامؓ کے شخصی عزم کی پختگی پر دال ہیں تو دوسری طرف گروہی عزم کے تشکیلی مرحلے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس لیے جلد ہی لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْن کے مصداق، مکہ میں دو گروہ آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ آبا پرستی کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھا اور دوسرا گروہ توحید، وحدتِ انسانی، صلہ رحمی اور ایثار جیسی خصوصیات سے مزین تھا۔ (۴)

ہجرتِ حبشہ: ایک اقدامی تجربہ

دعوتِ حق کے اس مرحلے پر آپ ﷺ نے اپنے قائد ہونے کا تاثر دینا شروع کیا، کیونکہ گروہ اور قیادت لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے گروہ کے بغیر قیادت کا تصور محال ہے، اسی طرح قیادت کے بغیر کوئی گروہ بھی تشکیل نہیں پا سکتا۔ چنانچہ ایک الگ گروہ کے تشکیل پاتے ہی اس کی قیادت کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ کو سنبھالنی پڑی۔ کفارِ مکہ کے معاندانہ و متشددانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رویے کے باعث، ایک قائد ہونے کے ناتے آپ ﷺ نے بھانپ لیا تھا کہ آخر کار آپ کو اپنے پورے گروہ سمیت ہجرت کرنی پڑے گی، کیونکہ آپ ﷺ سے قبل بھی بہت سے انبیا کو اس عمل سے گزرنا پڑا تھا۔(۵) اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ایک مدبر قائد ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے، عجلت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے تجربی واقدامی فیصلے کیے۔ نبی خاتم ﷺ نے اپنے رفقا کو دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کا یہ اقدام وسیع بنیاد پر سماجی تبدیلی (Large Scale Social Change) کا آغاز ثابت ہوا۔ نبی مکرم ﷺ نے تین سطحوں پر ان دو تجرباتی ہجرتوں کے اثرات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جو مکہ کی سوسائٹی، حبشہ کی سوسائٹی اور مہاجرین پر مرتب ہوئے۔

ہجرت کے لیے حبشہ ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس سلسلے میں ابن ہشام نے آپ ﷺ کا انتہائی معنی خیز ارشاد نقل کیا ہے: ''اگر تم سرزمین حبشہ کو نکل جاؤ تو بہتر ہے، کہ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سرزمین صدق ہے، یہاں تک کہ جس تنگیٔ حیات میں تم ہو، اس میں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے فراخی پیدا کر دے''۔

فرمان رسول ﷺ کے مطابق حبشہ کی مذکورہ حیثیت کو، نومسلموں کی حالتِ زار کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک تو تنگیٔ حیات میں گرفتار مسلمانوں کے ''شخصی عزم'' کو شکستہ ہونے سے بچانے کی تدبیر کی، اور انھیں مصائب کے گڑھ سے نکل کر سرزمینِ صدق (۶) کی طرف چلے جانے کا حکم دیا۔ دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے ''گروہی عزم میں پختگی'' پیدا کرنے اور اسے جانچنے کی راہ ہموار کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہجرتِ حبشہ نے مجموعی طور پر، نومسلموں کے شخصی عزم کو شکستگی سے بچانے کے علاوہ گروہی عزم کی پختگی پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ قریش نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بحیثیت سفارت کار حبشہ بھیجا جنھوں نے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے ''مجرم'' ہمارے حوالے کیے جائیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ تم نے نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف کون سا نیا دین ایجاد کر لیا ہے؟ معاملہ نازک تھا، کیونکہ نجاشی کی مخالفت کی صورت میں ''مجرم'' کے طور پر مکہ واپسی اپنے اوپر قیامت ڈھانے والی بات تھی۔ نجاشی اس وقت عیسائی تھا، لہٰذا یہی خطرہ موجود تھا کہ وہ بھڑک اٹھے اور مسلمانوں کو خود تختۂ مشق بنائے یا قریش کے حوالے کر دے۔ اس بحرانی حالت میں صحابہ کرامؓ نے باہمی مشاورت کے بعد جو متفقہ فیصلہ کیا، وہ ان کے ''گروہی عزم'' کا آئینہ دار ہے:

> ”نقول والله فيه ما قال الله و ما جاء به نبينا كائنا في ذالك ما هو كائن “ (مسند احمد)
>
> ''اللہ کی قسم! ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے کہا ہے اور جس کی ہمارے نبی نے تعلیم دی ہے۔ اس معاملہ میں جو ہوتا ہے، ہو جائے''۔

اس کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے تاریخ ساز خطاب کیا اور کلامِ الٰہی کی آیات تلاوت کیں جنھیں سن کر نجاشی اور اس کے درباریوں پر رقت طاری ہو گئی اور انھوں نے مسلمانوں کو، سفرائے قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ نجاشی کے دربار میں پہلے دن کی پسپائی کے بعد، عمرو بن العاص (جو ابھی غیر مسلم تھے) دوسرے دن دربار میں حاضر ہوئے اور نجاشی کو مشتعل کرنے کی خاطر اس سے کہا کہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ معلوم کیجیے۔ حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ام سلمہؓ فرماتی ہیں، جس قدر فکر وتردد ہمیں اس روز لاحق ہوا، ویسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ سب صحابہؓ جمع ہوئے اور مشورہ ہوا۔ پھر حضرت جعفر طیارؓ نے مہاجر ہوتے ہوئے بھی، اجنبی سرزمین پر اپنے گروہ کی نمائندگی (گروہ کی مشاورت سے) کرتے ہوئے گروہی عزم کا بلاخوف اظہار کیا: ''قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم، اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی روح ہیں''۔ (سیرت ابنِ ہشام/ المسند)

نجاشی نے صحابہ کرامؓ کے کلمہ حق پر لبیک کہا اور ایک تنکا اٹھا کر یوں گویا ہوا:

''واللہ! جو کچھ تم نے کہا، حضرت عیسیٰؑ اس سے سرِ مو زیادہ نہیں ہیں''۔ (سیرت ابنِ ہشام/ المسند)

ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح نبی خاتم ﷺ کے شخصی عزم کو پختہ کرنے کے لیے فترۃ الوحی کا ایک دور گزرا جس کے بعد متواتر وحی کا آغاز ہوا، اسی طرح ہجرتِ حبشہ نے صحابہ کرامؓ کے گروہی عزم کو پختہ کرنے کا کام کیا اور یہ گروہی عزم اس کے بعد متواتر ہجرتِ مدینہ، غزوات، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ جیسے مراحل طے کرتا چلا گیا۔ مثال کے طور غور کیجیے کہ حبشہ میں مسلم گروہی عزم کو مسیحیت جیسی عظیم مذہبی روایت سے مکالمہ کرنا پڑا۔ اس مکالمے میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور نجاشی کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی اسلام حبشہ میں پھیلتا چلا گیا۔ یہ مکالمہ بعد میں، ہجرتِ مدینہ کے بعد یہودیت جیسی سخت نسل پرست مذہبی روایت کے محاکمے میں بہت ممد ومعاون ثابت ہوا۔ قرآن کے الفاظ پر غور فرمائیے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُواْ الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُواْ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ قَالُوَاْ إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَاناً وَأَنَّهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ (المائدہ۵:۸۲)

''ایمان والوں کی عداوت میں تم سب سے زیادہ شقی یہودیوں کو پاؤ گے، نیز مشرکوں کو۔ اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں، اس لیے کہ ان میں پادری اور تارک الدنیا ہیں اور اس لیے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے''۔

اس لیے مشرکینِ مکہ کے مصائب جھیلنے کے بعد اگر ہجرتِ حبشہ کے تجربی اقدام کے بغیر ہجرتِ مدینہ عمل میں لائی جاتی تو یہودیت جیسی سخت گیر روایت سے مسلم گروہی عزم کا براہ راست ٹکراؤ کافی مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ خود مسیحیت کے ساتھ مکالمے میں بھی ایک منفی پہلو سامنے آیا تھا۔ مکے کے مہاجرین میں سے عبید اللہ بن جحش، حبشہ میں مرتد ہو گئے اور انھوں نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یقیناً اس سے صحابہ کرامؓ کو شدید جذباتی اور نفسیاتی دھچکا لگا ہوگا۔ اس دھچکے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت نظر آتی ہے، کیونکہ نبی خاتم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ارتداد کا مسئلہ سامنے آیا تھا، جس کے مقابل صدیقِ اکبرؓ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ نے ''گروہی عزم'' کا بے مثال مظاہرہ کیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عبید اللہ بن جحش کے ارتداد کے پیچھے، مستقبل کے سنگین مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے، صحابہ کرامؓ کی نفسیاتی تیاری اللہ رب العزت کو مطلوب ومقصود تھی۔ ارتداد کے اس واقعہ نے یقیناً صحابہ کرامؓ کے ''گروہی عزم'' کو کندن بنا ڈالا۔ صحابہ کرامؓ اگر اس جذباتی ونفسیاتی دھچکے سے نہ گزرے ہوتے تو بعد میں ایک تو آپ ﷺ کے وصال کا صدمہ اور پھر اوپر سے ارتداد کا فتنہ، صحابہ کرامؓ کو یقیناً مفلوج کر کے رکھ دیتا۔ اس پہلو سے دیکھیے تو ہجرتِ حبشہ کی نوعیت ''اقدامی'' ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہجرتِ حبشہ اور حبشی سماج

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور میں ''عہدِ نبوی ﷺ میں تبلیغِ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ'' کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

''اب چونکہ تبلیغ کی آزادی تھی، اس لیے یہ مسلمان (مکے کے نومسلم مہاجر) حبشہ میں تبلیغ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں وہاں کافی تعداد میں یعنی کم از کم چالیس پچاس حبشی مسلمان ہو گئے''۔ (ص ۳۶۱)

ابن ہشام کی سیرت النبی ﷺ میں بھی ابن اسحاق کے حوالے سے رقم ہے کہ حبشہ سے بیس یا بیس کے قریب نصاریٰ آپ ﷺ کی خبر سن کر محض آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے مکہ آئے۔ آپ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے چند سوالات کیے۔ قریش دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان نصاریٰ کو قرآن کریم پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ تمام لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں نے نبی خاتم ﷺ کو ان اوصاف کے مطابق پہچان لیا تھا جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے۔ جب وہ مسلمان ہو کر واپس جانے لگے تو ابو جہل اور قریش کے چند لوگوں نے ان سے کہا کہ تم بڑے بیوقوف اور احمق ثابت ہوئے ہو، تمھاری قوم نے تمھیں اس شخص کی خبر دریافت کرنے بھیجا تھا اور تم نے اس کا دین اختیار کر کے اس کی تصدیق کر دی، تم سے زیادہ نالائق ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ انھوں نے جواب میں کہا 'سلام علیکم'، ہم تم سے جہالت نہیں کرتے، ہمارے واسطے ہمارے کام ہیں اور تمھارے واسطے تمھارے کام ہیں۔ (۷) اس کے بعد مکے کے مہاجرین کے ساتھ نومسلم حبشیوں نے بھی حبشہ میں دعوتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

مرتد عبید اللہ بن جحش کے مرنے کے بعد آپ ﷺ نے اس کی بیوی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ سے شادی کر لی۔ ابنِ ہشام کی سیرت النبی ﷺ کے مطابق، آپ ﷺ نے شادی کے پیغام کے لیے حضرت عمرو بن؟؟ ضمری کو نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجا تھا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح نبی مکرم ﷺ کے ساتھ کر کے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔ نکاح میں حضرت ام حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید بن عاص تھے جنھوں نے ان کو حضور ﷺ کے نکاح میں دیا۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی نے اوائل ایام میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا جس سے مسلمانوں کو حبشہ میں دعوت دینے میں آسانی پیدا ہوئی اور ان کا ''گروہی عزم'' پختہ تر ہوتا چلا گیا، دوسرا یہ کہ کثرتِ ازواج کے حوالے سے آپ ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا ایک جواب بھی اس نکاح سے مل جاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ اس وقت اسلام، حبشہ کے عیسائیوں میں پھل پھول رہا تھا، ایسے حالات میں کسی مہاجر مسلم کا عیسائی ہونا اس نومسلم سوسائٹی کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ اب اس ''مرتدِ اول'' کی بیوی کے بارے میں عمومی مسلم رویہ کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے، ان کے لیے قدرے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ پھر یہ احتمال بدیہی طور پر موجود تھا کہ مسلمانوں میں ایسا سماجی رویہ پروان چڑھتا جس کے سبب مستقبل میں کسی کے مرتد ہونے پر اس کی بیوی کو کوئی بھی مسلم اپنے نکاح میں لینے پر تیار نہ ہوتا اور اس خاتون کو مستقلاً بیوگی کی زندگی گزارنی پڑتی۔ آپ ﷺ نے یہ نکاح کر کے حقیقت میں مسلم سوسائٹی کو یہ عظیم پیغام دیا کہ ہر فرد صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، کسی کی بداعمالی یا بے ایمانی کی سزا کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے نہیں دی جاسکتی، چاہے معاملہ خاوند بیوی کا ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد ارتداد کا جو فتنہ اٹھا، اس میں ایسی مسلم خواتین، جن کے شوہر مرتد ہو گئے تھے، ان کی بابت مسلم سوسائٹی کے عمومی رویے کو پیش نظر رکھ کر آپ ﷺ کے حضرت امِ حبیبہؓ سے نکاح کی حکمت سمجھی جاسکتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم سوسائٹی نے نبی خاتم ﷺ کے اس پیغام پر لبیک کہا ہوگا اور ایسی خواتین کو نہایت تعظیم کے ساتھ، مسلمان مردوں نے نکاح کا پیغام بھیجا ہوگا۔ (۸)

نجاشی کے قبولِ اسلام سے اگرچہ مہاجرین کے لیے آسانی پیدا ہوئی اور دعوتِ حق کا کام بھی سہل ہو گیا لیکن حبشہ کی سوسائٹی میں بے چینی بھی بڑھتی چلی گئی۔ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ تمام اہلِ حبش نے نجاشی سے سرکشی کی اور کہا کہ تم ہمارے دین (مسیحیت) سے علیحدہ ہو گئے ہو۔ جب یہ لوگ فساد پر آمادہ نظر آئے تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سمیت تمام مہاجرین سے کہلا بھیجا اور ان کے لیے کشتیوں کا انتظام کر دیا کہ ان میں سوار ہو جاؤ اور میری خبر کے منتظر رہو۔ اگر مجھے شکست ہوئی تو تم لوگ جہاں جاسکو، چلے جانا اور اگر میرا غلبہ ہوا تو یہیں رہنا۔ نجاشی نے نہایت تدبر اور خوش اسلوبی سے فسادیوں کو سنبھال لیا اور ان کی مخالفت ختم ہو گئی۔ (۹) اس واقعہ سے اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ حبشہ کے مسیحیوں نے سماجی اور سیاسی میدان میں اسلام کی بھرپور مدافعت کی۔

ہجرتِ حبشہ اور مکی سماج

مکہ کی سوسائٹی کے لیے بھی ہجرتِ حبشہ سماجی زلزلہ ثابت ہوئی۔ ظاہر ہے ان دنوں مکہ کی آبادی بہت زیادہ نہیں تھی۔ اس آبادی میں سے سو (۱۰۰) کے لگ بھگ انھی کے بھائی بندوں کا علاقہ چھوڑ جانا ایسا معمولی واقعہ نہیں تھا جس کے سماجی اور نفسیاتی اثرات سے اہلِ مکہ محفوظ رہ سکتے۔ ابنِ ہشام کی سیرت النبی ﷺ میں ابنِ اسحاق نے حضرت امِ عبداللہؓ بنت ابی حثمہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ جس وقت ہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا سامان کر رہے تھے اور میرے شوہر عامرؓ اس وقت کسی کام کو گئے ہوئے تھے، یکا یک عمرؓ بن خطاب میری طرف آ نکلے۔ وہ اس وقت کفر ہی کی حالت میں تھے اور ہم کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ وہ کہنے لگے، اے امِ عبداللہؓ! کیا اب تمھارا کوچ ہے؟ میں نے کہا، ہاں! واللہ ہم کیا کریں، جب تم ہم کو بے حد تکلیفیں اور ایذائیں پہنچاتے ہو، اس لیے ہم خدا کے ملک میں سفر کرتے ہیں، یہاں تک کہ خدا ہمارے لیے کشادگی پیدا کر دے۔ عمرؓ بن خطاب نے کہا، خدا تمھارا حافظ ہے۔ میں نے دیکھا کہ عمرؓ کے دل کو ہمارے جانے سے رنج ہوا۔ پھر وہاں سے عمرؓ چلے آئے، جب عامرؓ آئے تو میں نے ان سے کہا، اے ابو عبداللہ! تم نے دیکھا اس وقت عمرؓ آئے تھے اور ہمارے جانے سے وہ غمگین ہوئے۔ عامرؓ نے کہا، کیا تم کو امید ہو سکتی ہے کہ عمرؓ اسلام قبول کرے۔ میں نے کہا، ہاں۔ عامرؓ نے کہا، ہرگز نہیں۔ اگر خطاب کا گدھا اسلام لے آئے تو میں جانوں کہ عمرؓ بھی مسلمان ہو جائے گا۔ امِ عبداللہؓ کہتی ہیں کہ عامرؓ کا یہ کلام اس سبب سے تھا کہ وہ عمرؓ کی سختی اور ان کی اسلام دشمنی کو دیکھ کر ناامید ہو گئے تھے۔ (خیال رہے، عامرؓ اور امِ عبداللہؓ، حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے گروپ میں شامل تھے)

لہٰذا ہجرتِ حبشہ نے مکی سوسائٹی میں عمرؓ بن خطاب جیسی شخصیات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ محمد ﷺ ہمارے بھائی بندوں کو ہم سے جدا کر رہے ہیں، عمرؓ بن خطاب برافروختہ ہوئے اور تلوار حمائل کیے نبی اکرم ﷺ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ ﷺ کے اصحابؓ کے قصد سے چل پڑے۔ راستے میں ان کی ملاقات نعیم بن عبداللہ سے ہوگئی۔ انھیں عمرؓ بن خطاب کے ارادے کا پتہ چلا تو کہا، پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ عمرؓ جیسی سخت اسلام دشمن شخصیت کے لیے یہ خبر بہت بڑا انفسیاتی دھچکا تھی۔ ان کا رخ بہن کے گھر کی طرف ہوگیا، جہاں وہ غصے میں بہنوئی کے ساتھ باہم دست وگریباں ہوگئے۔ بہن فاطمہ چھڑانے کو آگے بڑھیں تو عمرؓ نے ان کے سر پر ضرب لگائی، فاطمہؓ بنت خطاب کے سر سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ تب ان کی بہن اور بہنوئی نے ڈٹ کر کہا، ہاں بے شک ہم اسلام لے آئے ہیں، دیکھیں تم ہمارا کیا کرتے ہو۔ بہن کے سر سے خون بہتا دیکھ کر عمرؓ بہت شرمندہ ہوئے۔ ظاہر ہے یہ کوئی جائیداد کی تقسیم کا معاملہ نہیں تھا جس کی خاطر یہ لوگ اپنے بھائی بندوں سے الگ ہو رہے تھے، بلکہ یہ لوگ تو ہر دنیاوی آسائش کو تج دے کر بے آسرا و بے سروسامان ہو چکے تھے۔ عمرؓ بن خطاب کی داخلی دنیا میں مہاجرینِ حبشہ کی وجہ سے پہلے ہی اضطراب پیدا ہو چکا تھا، اسی اضطراب نے جھنجھناہٹ کی شکل اختیار کی تھی۔ ان کا دل پسیج گیا، وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی خاطر یہ لوگ اپنی جائیداد، علاقہ اور رشتہ داریاں تک چھوڑنے کو تیار ہیں، حالانکہ عمومی دستور یہی ہے کہ لوگ انھی اشیا کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مشیتِ الٰہی کے مطابق، ابوحکم بن ہشام (ابوجہل) کے بجائے عمرؓ بن خطاب کے حق میں نبی خاتم ﷺ کی دعا قبول ہو چکی تھی، کیونکہ آپ ﷺ ان میں سے کسی ایک کے ذریعے سے تائیدِ اسلام کی دعا فرمائی تھی۔ عمرؓ نے کہا مجھے وہ کاغذ دو، جس پر کلام لکھا ہے، دیکھوں تو سہی، محمد ﷺ پر کیا نازل ہوا ہے؟ بہن نے انھیں غسل کرنے کو کہا تا کہ وہ پاک ہو جائیں۔ عمرؓ نے اسی وقت غسل کیا، بہن نے وہ کاغذ دے دیا جس پر سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ عمرؓ پڑھے لکھے تھے، دیکھتے ہی کہنے لگے، یہ کلام اچھا ہے اور کیسا بزرگ ہے۔ اس کے بعد عمرؓ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ فاروقِ اعظمؓ کے قبولِ اسلام سے کفار کمزور پڑ گئے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب جیسی عظیم شخصیت، مسلم گروہی عزم کے مرکزی دھارے mainstream میں نہ صرف فوراً شامل ہوگئی بلکہ گروہی عزم کو اقدامی بنانے میں ممد ومعاون ثابت ہوئی۔ (۱۰) آپؓ کے قبولِ اسلام کے بعد مسلمانوں نے کعبہ میں پہلی بار سرِ عام نماز ادا کی۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ صدیقِ اکبر نے حرم میں سب سے پہلے خطاب کیا) ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کے مطابق ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلام کو جو سیاسی اقتدار نصیب ہوا، اس کا پیش خیمہ حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام ہی ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہجرتِ حبشہ، حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا پیش خیمہ ہے، اس طرح دونوں ہجرتیں، فاروقِ اعظمؓ کی زندگی میں بہت اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔

ہجرتِ حبشہ سے مکی سوسائٹی جن اضطرابی کیفیات سے گزر رہی تھی، اس کا سماجی سطح پر اظہار ''معاشرتی مقاطعہ'' کی صورت میں ہوا۔ قریش نے باہم اتفاق کر کے ایک عہد نامہ لکھ لیا کہ ہم بنی ہاشم اور بنی مطلب سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ اس وقت کے مخصوص عرب کلچر کے تناظر میں یہ ایک انتہائی اقدام تھا (۱۱) اور ظاہر ہے اس کے پیچھے انتہا درجے کی تلملاہٹ اور ذہنی شکستگی کارفرما تھی۔ اہم بات یہ ہے کہ اس موقع پر ابولہب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کے سوا آپ ﷺ کے تمام قرابت داروں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ یوں، ابولہب نے عرب کلچر کی زندہ روایات سے بھی روگردانی کر کے آپ ﷺ سے قطع تعلق اختیار کر لیا اور معرکہ خیر وشر میں، ابلیس کی مانند شر کی ابدی علامت بن گیا (۱۲)۔ ہجرتِ حبشہ کے سماجی اثرات سے بوکھلا کر، عہد نامہ لکھ تو لیا گیا تھا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مکی سماج میں اس ظلم کے خلاف ردِ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ابھرنا شروع ہوا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ معاشرتی مقاطعہ کا عہد نامہ لکھنے میں ہی کچھ لوگ متردد تھے۔ وہ اسے صریحاً ظلم تصور کرتے تھے۔ جس طرح ہجرتِ حبشہ پر مکی سماج سوچ بچار پر مجبور ہو گیا تھا، اسی طرح اب مکی سماج کے اپنے ردِ عمل نے لوگوں کو انفرادی حیثیت میں غور و فکر پر مجبور کر دیا۔ اس طرح معاشرتی مقاطعہ ایک لحاظ سے ''داعی'' کی صورت اختیار کر گیا۔ ابنِ ہشام کی سیرت النبی ﷺ میں ہشام بن عمرو کی ان کوششوں کا تذکرہ موجود ہے جو اس نے معاشرتی مقاطعہ کے خاتمہ کے لیے زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود کے ساتھ مل کر کیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے بھی قریش کے مظالم سے تنگ آ کر نبی پاک ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل گئی۔ صدیق اکبرؓ ہجرت کے ارادے سے مکہ سے ابھی دو منزل ہی باہر نکلے تھے کہ ان کی ملاقات احابیش کے سردار ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس نے پوچھا، اے ابوبکر! کہاں جاتے ہو؟ آپؓ نے فرمایا، میری قوم نے مجھے سخت تکلیفیں پہنچائی ہیں اور نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ابنِ دغنہ نے کہا، کیوں؟ اس کی وجہ؟ واللہ تم تو اپنی قوم کے لیے باعث زینت ہو، مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہو، بھلائی کے کام کرتے ہو اور ناداروں کو ضروریات فراہم کرتے ہو۔ تم چلو، میں تمھیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ، ابن دغنہ کے ہمراہ مکہ واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ نے پناہ واپس کر دی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، سیرت النبی ﷺ، ابن ہشام)

ہم سمجھتے ہیں کہ ہجرتِ حبشہ سے مکی سماج کو سنگین فکر لاحق ہو گئی تھی کیونکہ اس کے صاحبِ حیثیت افراد مکہ چھوڑ چھوڑ کر جا رہے تھے۔ (۱۳) مثلاً حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت ابوسبرہؓ بن رہم اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف ایسے مہاجرین تھے جن کی مکی سوسائٹی میں ممتاز حیثیت تھی اور یہ اصحابؓ حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے مسلم گروپ میں شامل تھے۔ ایسے میں صدیق اکبرؓ جیسی عظیم شخصیت کے چلے جانے سے مکی سماج، اخلاقی دیوالیہ کا شکار ہو جاتا۔ ابن دغنہ کے ان الفاظ پر ذرا غور کیجیے جو اس نے صدیق اکبرؓ کی شان میں کہے۔ کیا ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ان کا کردار ''داعی'' بن کر سامنے آیا ہے، کیونکہ ان کا شخصی عزم کاملیت کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے صحابہؓ نے کردار کے جو مراتب ہجرت کر کے حاصل کیے، نبی خاتم ﷺ کے یارِ غار نے وہ مراتب فقط دو منزل طے کر کے حاصل کر لیے (۱۴) المختصر، ہجرتِ حبشہ نے جہاں ایک طرف نفسیاتی کچوکے لگا کر مکی سوسائٹی کو جھنجھوڑ ڈالا، وہاں یہ مختلف سطحوں پر شخصی و گروہی عزم کو تقویت دیتے ہوئے داعی کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی۔

ہجرت حبشہ کے حوالے سے سطور بالا میں مذکور توضیح سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ نبی خاتم ﷺ نے خود ہجرتِ حبشہ کیوں نہیں کی؟ ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ ہجرت تجربی واقدامی تھی اور اس سے پیش نظر ہجرت مدینہ کے لیے زمین کو ہموار کرنا تھا۔

ہجرت مدینہ کے تمہیدی مراحل

حبشہ کی تجربی واقدامی ہجرت کے گوناگوں اثرات پر نظر رکھتے ہوئے، مشیتِ الٰہی کے مطابق نبی خاتم ﷺ گروہی ہجرت کے تتماتی لازمے finishing requirements پورے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کو حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے سانحات سے گزرنا پڑتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ گھر کے اندر آپ ﷺ کی غم گسار تھیں تو حضرت ابوطالب گھر کے باہر کفار کے مظالم کے خلاف ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اس لیے ان دو ہستیوں کے داغِ مفارقت دے جانے سے رسولِ پاک ﷺ جن مشکل حالات سے دوچار ہوئے، اس سے آپ ﷺ کا شخصی عزم کاملیت کے اعلیٰ ترین درجے تک پہنچ گیا۔ سیرت النبی ﷺ ابنِ ہشام میں رقم ہے کہ جب ایک گستاخ نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر خاک ڈالی اور آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی اس کو دھونے لگی اور رونے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بیٹی کیوں روتی ہو؟ اللہ تمھارے باپ کا حافظ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے، قریش مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے۔

حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ابولہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا۔ اس نے آپ ﷺ کو ''کنبہ بدر'' کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ انتہائی اقدام تھا۔ حضرت ابوطالب نے قریش کی دھمکیوں، دباؤ اور معاشرتی مقاطعہ کے باوجود ایسا منفی قدم نہیں اٹھایا تھا لیکن ابولہب نے بغیر کسی دباؤ کے، آپ ﷺ کی مخالفت میں اپنے طور پر یہ انتہائی قدم اٹھا لیا۔ اس کے نتیجے میں آپ ﷺ اپنے خانوادے کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ کنبہ بدری کی اس دشوار اور صبر آزما میں نبی پاک ﷺ نے طائف کا سفر کیا تاکہ وہاں سے حمایت و تعاون مل سکے اور دعوتِ اسلام کا فریضہ جاری رہ سکے، لیکن وہاں آپ ﷺ پر جس طرح آوازے کسے گئے، سنگ باری کی گئی، قلم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ ایک کنبہ بدر فرد پر ایسے حالات بیتیں تو اس پر کیا گزرتی ہے؟ یہ آپ ﷺ کا کامل شخصی عزم ہی تھا کہ آپ ﷺ نے مایوس ہونے کے بجائے اہلِ طائف کے لیے بھی دعا کی۔ یہ محض حسنِ اتفاق نہیں کہ آپ ﷺ طائف سے واپسی پر ''غارِ حرا'' میں ٹھہرے جہاں سے آپ ﷺ نے آدمؑ کے گم گشتہ عزم کی بازیافت کا آغاز کیا تھا۔ پھر آپ ﷺ مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ واپس آئے کیونکہ کنبہ بدری کے بعد کسی کی پناہ میں آئے بغیر مکہ میں قدم رکھنا ناممکن ہو چکا تھا۔ یہ وہی مطعم بن عدی ہے جس نے معاشرتی مقاطعہ کے خاتمے میں بھی اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اسی لیے حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کے انتقال پر مرثیہ کہا تھا۔ خیال رہے مطعم کا انتقال کفر کی حالت میں ہوا تھا۔ مکہ واپسی پر آپ ﷺ نے حج کے موقع پر قبائلِ عرب کو اسلام کی دعوت دی۔ خاتم الانبیا ﷺ کی پوری مکی زندگی میں، آپ ﷺ کے اپنے خاندان کو دعوت دینے سے لے کر قبائلِ عرب کو اسلام کی طرف راغب کرنے تک کے سارے دور میں ابولہب سائے کی طرح آپ ﷺ کے پیچھے لگا رہا اور لوگوں کو بدظن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ سیرت النبی ﷺ / ابنِ ہشام میں مرقوم ہے:

> ''ربیعہ بن عباد سے روایت ہے کہ میں نوجوان شخص تھا اور اپنے باپ کے ساتھ حج میں شریک تھا۔ میں نے دیکھا کہ منیٰ کے مقام پر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور قبائلِ عرب کے پاس کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بنی فلاں! میں تمھاری طرف خدا کا رسول ہوں تم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ تم سوا خدا کے کسی کی پرستش نہ کرو اور بت پرستی چھوڑ دو اور مجھ پر ایمان لا کر میری تصدیق کرو اور احکامِ الٰہی کے جاری کرنے میں میرے شریک ہو جاؤ۔
>
> جب حضور ﷺ یہ فرما چکے تو ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے سے بولا، جو آنکھ سے بھینگا اور عدن کا حلہ پہنے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ اے بنی فلاں! یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ لات اور عزیٰ کے بت اپنی گردنوں سے نکال کر پھینک دو اور جنوں کی پرستش چھوڑ دو۔ پس اس بدعت اور گمراہی جس کی طرف یہ تم کو بلاتا ہے، ہرگز نہ مانو اور نہ اس کی بات سنو۔ ربیعہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ انھوں نے کہا یہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب بن عبدالمطلب ہے۔''

اس طرح ابولہب نے آپ ﷺ کی مخالفت مسلسل جاری رکھی اور کنبہ بدر کرنے کے بعد آپ ﷺ کو مکہ سے نکال کر ہی دم لیا۔ اس لیے اس کے متعلق یہ سخت وحی اتری :

تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ () مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ () سَيَصْلَى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ () وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ () فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ (سورۃ اللھب/۱۱۱)

''ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے اور نامراد ہو گیا وہ، نہ کام آیا کچھ اس کے مال اس کا اور (نہ) وہ جو اس نے کمایا، عنقریب جا پڑے گا وہ لپٹیں مارتی آگ میں، اور اس کی بیوی اٹھائے پھرنے والی ایندھن، اس کی گردن میں (ہوگی) رسی مونجھ کی۔''

اب ایک طرف چراغ مصطفوی ﷺ تھا، اور دوسری طرف شرارِ بولہبی۔ ایک طرف عزمِ کامل تھا اور دوسری طرف عزم کو شکستہ کرنے کے حیلے۔ لیکن زمین پر ابلیس کی زندہ علامت، ابولہب، دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ آور ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے عزم کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ آپ ﷺ دینِ حق کی دعوت مسلسل دیتے رہے۔

بہر حال حج کے موقع پر قبائل عرب کو دعوت دینے کا عمل نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ بعض روایات کے مطابق مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کے درمیان ''جنگِ بعاث'' سے پہلے سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ نے مکہ آ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس جنگ میں اوس وخزرج کے کمزور پڑ جانے سے یہودِ مدینہ نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر لیا۔ اورس وخزرج اس بات سے آگاہ چکے تھے کہ یہودی انھیں کمزور کرنے کی خاطر آپس میں لڑا رہے ہیں۔ اسی دوران میں خزرج کی ایک جماعت حج کے موسم میں مکہ آئی۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ یہ خزرجی لوگ آپ ﷺ کی ممکنہ بعثت سے آگاہ تھے کیونکہ یہودی انھیں اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آنے والا ہے، ہم اس کی اتباع کر کے تم لوگوں کا قلع قمع کر دیں گے۔ انھوں نے خیال کیا، کہیں یہودی ہم سے سبقت نہ لے جائیں، اس لیے ان لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر فوراً لبیک کہا۔ ان خزرجیوں نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ ہماری قوم اوس وخزرج کے مابین اتنی سخت عداوت اور نفاق ہے کہ شاید ہی کسی دوسری قوم میں ہو۔ اگر آپ ﷺ اوس وخزرج کو ایک لڑی میں پرو دیں تو پھر آپ ﷺ سے زیادہ ذی عزت شخص کوئی نہیں ہو گا۔ مدینہ واپس جا کر ان لوگوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو قبولِ اسلام کی روداد سنائی اور اسلام لانے کی دعوت دی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اوس وخزرج میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں نبی خاتم ﷺ کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔

پھر اگلے موسمِ حج میں مدینہ سے بارہ اشخاص مکہ آئے اور آپ ﷺ کی بیعت کی۔ سیرت النبی ﷺ ابنِ ہشام کے مطابق، عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے عورتوں کی بیعت جیسی [بیعت النساء] بیعت کی (کیونکہ ابھی جہاد وقتال کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے)۔ نبی خاتم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ مدینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روانہ کیا تا کہ وہ انھیں احکامِ اسلام کی تعلیم دیں اور قرآن شریف پڑھائیں۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت مصعبؓ ہی ان لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے کیونکہ اوس وخزرج ایک دوسرے کے امام بننے سے خوش نہیں تھے۔ یہاں پر ہجرتِ حبشہ کا ایک اور ''اقدامی پہلو' عیاں ہوتا ہے۔ حضرت مصعبؓ حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے مسلم گروپ میں شامل تھے۔ حبشہ میں مسلمان جن نامساعد حالات سے گزرے اور انھیں ایک اجنبی ماحول میں دعوتِ حق کا کام کرنا پڑا، اس سے ان میں صبر اور متانت جیسی خصوصیات پیدا ہوئیں اور دبے بغیر حق بات کو، مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق کہنے کا سلیقہ آیا۔ اہم بات یہ ہے کہ حبشہ میں ایک تو نجاشی کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں، دوسرا خود عیسائیت کی مذہبی روایت بھی نرم خو تھی۔ مدینہ میں حالات اس کے برعکس تھے، کیونکہ ایک طرف اوس وخزرج کے مابین اختلافات موجود تھے اور دوسری طرف کینہ پرور یہودی اعلیٰ سماجی مقام کے حامل تھے۔ اس لیے اگر حضرت مصعبؓ کو ہجرتِ حبشہ کے تجربے سے گزارے بغیر براہ راست مدینہ بھیجا جاتا تو انھیں وہاں شدید مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔ نبی پاک ﷺ کسی ایسے صحابی کو بھی مدینہ جانے کا حکم دے سکتے تھے جنھوں نے حبشہ ہجرت نہیں کی تھی۔ مصعبؓ کے انتخاب کے پیچھے یقیناً ان کی ہجرتِ حبشہ، آپ ﷺ کے پیشِ نظر تھی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی کامیابیوں میں ان کی ہجرتِ حبشہ کے تجربے کا خاطر خواہ حصہ تھا۔ اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ جو اپنی قوم کے سردار تھے، مصعبؓ کے تدبر کی بدولت بات سننے کے روادار ہوئے اور ان کے اسلوبِ دعوت سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کی پوری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ ابنِ ہشام کے مطابق سوائے بنی اوس کے چند قبائل کے، کچھ عرصہ بعد انصار میں کوئی ایسا گھرانہ باقی نہ بچا تھا جس کے سب مرد وعورت مسلمان نہ ہو چکے ہوں۔

ابنِ ہشام کے مطابق، حضرت مصعبؓ حج کے موقع پر مدینے سے انصار کے ہمراہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ تہتر (۷۳) مردوں اور دو (۲) عورتوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے (جو ابھی غیر مسلم تھے) فرمایا، اے گروہِ خزرج! محمد ﷺ ہمارے اندر جو وقعت اور عزت رکھتے ہیں، تم اس کو خوب جانتے ہو اور ہم ان کے مخالفین سے ان کے محافظ اور ان کو بچانے والے ہیں۔ مگر ان کا خود یہ ارادہ ہے کہ اس شہر کو چھوڑ کر تمھارے شہر میں چلے چلیں اور تم سے مل جائیں، اگر تم سمجھتے ہو کہ تم جس بات کی طرف ان کو بلاتے ہو، اس کو پورا کر سکو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کو محفوظ رکھو گے تو اس کام کو کرو اور اگر تم سے یہ بات نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ تم اسی وقت جواب دے دو کیونکہ محمد ﷺ اس وقت ہماری حفاظت میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہاں سے ان کو لے جا کر پھر ان کے دشمنوں کے سپرد کر دو۔ ابنِ ہشام کے مطابق کعبؓ کہتے ہیں، ہم نے عباسؓ سے کہا کہ ہم نے آپؓ کی پوری گفتگو سن لی، پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، آپ ﷺ ارشاد فرمائیں اور خدا کے احکام کے متعلق یا اپنی ذات کے متعلق جو کچھ ''عہد'' ہم سے لینا ہو، وہ لے لیں۔ رسول پاک ﷺ نے پہلے قرآن شریف پڑھ کر سنایا اور خدا کی طرف رغبت دلائی۔ بعد ازاں فرمایا کہ میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ میری ایسی حمایت کرو گے جیسا کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حمایت کرتے ہو۔ کعبؓ کہتے ہیں یہ سنتے ہی براء بن معرورؓ نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا اور عرض کیا، ہاں بے شک اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم آپ ﷺ کی ایسی ہی حمایت کریں گے جیسی اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ پھر سب نے رسول اللہ ﷺ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیعت کی اور عرض کی کہ ہم جنگجو لوگ ہیں اور حرب و پیکار ہماری وراثت میں بزرگوں سے چلی آ رہی ہے۔ پھر ابوالہیثمؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان قدیمی عداوت ہے، ہمیں یہ خدشہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غلبہ دے دے تو آپ کہیں ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس نہ چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا: نہیں، اس بات کا تم اطمینان رکھو، جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے، اس سے میں صلح کروں گا۔ تمھارا ذمہ میرا ذمہ ہے اور تمھاری حرمت میری حرمت ہے۔

ابنِ ہشام کی ایک روایت کے مطابق جب مقامِ عقبہ میں انصار نبی پاک ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے تیار ہوئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاریؓ نے کہا، اے معشر خزرج! تم جانتے بھی ہو کہ کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ سب نے کہا، ہاں ہم جانتے ہیں۔ کہا، یہ اس بات کی بیعت ہے کہ ہر ایک سرخ وسیاہ آدمی سے تم کو لڑنا ہوگا۔ اگر تمھیں لگتا ہے کہ جب تمھارے مال برباد ہوں گے اور تمھارے اشراف قتل ہو جائیں گے، اس وقت تم ان سے پھر جاؤ گے تو اسی وقت اس بیعت کو ترک کر دو۔ واللہ! اگر اُس وقت تم نے ایسا کیا تو دنیا وآخرت کی ذلت تم کو نصیب ہوگی۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ چاہے کیسی ہی مصیبت تم کو پہنچے، مال برباد ہو کہ اشراف قتل ہوں، تم اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو پھر بسم اللہ، بیعت کرو کیونکہ اس میں تمھارے لیے دین ودنیا کی خیر وخوبی ہے۔ سب نے کہا، ہم ان سب باتوں کی بیعت کرتے ہیں۔ (اس بیعت کو اس لیے 'بیعتِ حرب' بھی کہتے ہیں)۔ پھر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! جب ہم اس عہد پر پورا اتریں گے تو ہمارے واسطے کیا بدلہ ہے؟ نبی خاتم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت۔ بیعت کے بعد نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے بارہ آدمی میرے سامنے پیش کرو تا کہ میں ان کو ان کی قوم پر نقیب بناؤں۔ چنانچہ بارہ شخص آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے، جن میں نو خزرج اور تین اوس سے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور انصارِ مدینہ کے درمیان مذکورہ مکالمے کی کم از کم تین سطحیں ہیں:

(ا) یہ مکالمہ درحقیقت انصار کا نبی پاک ﷺ کے ساتھ ''عہد'' تھا جس پر انصار ہمیشہ کاربند رہے۔

(ب) یہ مکالمہ قیادت (نبی پاک ﷺ) اور گروہ (انصارِ مدینہ) کے درمیان معاہدہ تھا جس میں فریقین کی ذمہ داریوں کا تعین موجود تھا۔

(ج) یہ مکالمہ میثاقِ مدینہ کا پیش رو تھا کیونکہ اس کے مندرجات میثاقِ مدینہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انصارِ مدینہ ''مکی'' نہیں تھے، اس لیے انھیں ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کی سعادت بھی نہ مل سکی، اس کے باوجود انھوں نے اس مکالمے میں ''بے مثال گروہی عزم'' کا مظاہرہ کیا، ایسا کیونکر ہو سکا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سوال مطالعہ سیرت کا ایک اہم اور قابلِ اعتنا پہلو ہے جو ہنوز تشنہ ہے۔ اس سوال کا ایک جواب تو حضرت مصعبؓ کی دعوتی مساعی کے تجزیے میں پوشیدہ ہے۔ (۱۵) اور دوسرا جواب خود انصار کی ان داخلی خوبیوں سے آگاہی میں مستور ہے جو قبل از اسلام بھی ان کی ذات کا حصہ تھیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"لو لا الھجرة ، لکنت امرء ا من الانصار ، و لو اندفع الناس فی شعب ، او فی واد ، والانصار فی شعب لاندفعت مع الانصار فی شعبھم" (صحیفہ ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

/تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ)

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک آدمی ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی یا ایک وادی میں جاتے اور انصار ایک دوسری گھاٹی میں، تو میں انصار کے ساتھ ان کی گھاٹی میں جاتا''۔

گروہی ہجرت کے تتماتی لازمے کے طور پر اس ''تجربی مواخات'' کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو مکہ میں سولہ افراد کے درمیان کرائی گئی۔ سیرت کی عام کتب میں اس کا تذکرہ مفقود ہے لیکن محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) کی کتاب 'المحبر' میں اس پر بحث کی گئی ہے(۱۶)۔ حبشہ کی تجربی واقدامی ہجرت کے نتائج وعواقب سے آپ ﷺ نے بھانپ لیا تھا کہ ہجرت کے ذریعے سے ایک جاری وساری سماجی عمل میں اضطرابی لہریں تو برپا کی جا سکتی ہیں، لیکن ایک نئے سماجی رویے کی آبیاری کے لیے ہجرت، بنفسہٖ ناکافی ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے ہجرتِ حبشہ کے بعد مکی زندگی میں ہی، گروہی عزم کو صحیح خطوط پر ایک سماجی رویے میں ڈھالنے کی خاطر، مواخات کا کامیاب تجربہ کیا۔ یہ تجربہ، ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک نئے سماج کی تشکیل میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوا۔

گروہی ہجرت کا واقعہ

تجربی واقدامی اور تتماتی لوازمات کی تکمیل کے بعد آخر کار گروہی ہجرت کا وقت آ پہنچتا ہے:

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَاناً نَّصِيراً (بنی اسرائیل ۱۷/۸۰)

''اور دعا کرو کہ اے میرے مالک! لے جا تو مجھے جہاں بھی لے جائے صدق کے ساتھ اور نکال مجھے جہاں سے بھی نکالے صدق کے ساتھ اور بنا دے تو میرے لیے اپنی جنابِ خاص سے کسی اقتدار کو میرا مددگار''۔

خیال رہے، حبشہ کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ سرزمین صدق ہے، اسی طرح نبی پاک ﷺ اب صدق کے ساتھ داخل ہونے کے مقام کی وضاحت کرتے ہیں:

امرت بقرية تاكل القرى يقولون يثرب وهى المدينة تنفى الناس كما ينفى الكير خبث الحديد (صحیح بخاری)

''مجھے ایک ایسے شہر میں (ہجرت) کا حکم ہوا ہے جو دوسرے شہروں کو مغلوب کرے گا۔ اسے یثرب کہتے ہیں لیکن وہ مدینہ ہے، برے لوگوں کو اس طرح باہر کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو''۔

ایسا نہیں کہ گروہی ہجرت کا لمحہ یک دم آ گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے نفسیاتی تیاری کافی پہلے سے ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ کے تجربی واقدامی فیصلوں کے علاوہ احکاماتِ قرآنی کے ذریعے مسلمانوں کو ہجرت کی فضیلت، جواز اور حکمت سے آگاہ کر دیا گیا تھا:

وَالَّذِينَ هَاجَرُواْ فِي اللّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُواْ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ (النحل ۱۶/۴۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اللہ کی خاطر، اس کے بعد کہ ان پر ظلم ہو چکا تھا، ضرور ٹھکانہ دیں گے ہم انھیں دنیا میں بھی اچھا اور اجرِ آخرت تو بہت ہی بڑا ہے''۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُواْ مِن بَعْدِ مَا فُتِنُواْ ثُمَّ جَاهَدُواْ وَصَبَرُواْ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (النحل ١٦/١١٠)

''جنھوں نے ہجرت کی اس کے بعد کہ وہ آزمائش میں ڈالے گئے پھر انھوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک تیرا رب ان آزمائشوں کے بعد یقیناً ہے بخشنے والا اور رحم فرمانے والا''۔

آخر کار نبی خاتم ﷺ مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ، کیونکہ آپ ﷺ وہاں ''مستقر و متاع'' کا خاطر خواہ انتظام کر چکے تھے۔ اب ہم گروہی ہجرت کے واقعات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ان اثرات کا سرسری جائزہ لیتے ہیں جو مکہ اور مدینہ کی سوسائٹیوں پر مرتب ہوئے۔

ہجرت کے لیے مدینہ کا انتخاب

نبی خاتم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مدینہ کی اہمیت کے پیشِ نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مدینہ منورہ میں ہی کیوں نہ ہوئی؟ اس طرح آپ ﷺ کو ہجرت کی جاں گسل کیفیات سے بھی نہ گزرنا پڑتا۔ ہماری رائے میں جہاں تک ہجرت کا تعلق ہے یہ آپ ﷺ کی حیاتِ مطہرہ کا لازمی جزو معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے خدا کے لیے یہ امر مشکل نہ تھا کہ آپ ﷺ کو ہجرت کیے بغیر مکہ میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرماتا۔ اب اگر مدینہ میں آپ ﷺ مبعوث ہوتے تو بھی اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو ہجرت کے عمل سے گزارنا تھا (دنیا کے تاریخی و تکوینی تقاضے بھی بڑے بڑے مصلحوں کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کرتے رہے ہیں)، پھر مدینہ سے آپ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد آپ ﷺ کے مدینہ پر فتح پانے سے وہ حکمت ظاہر نہیں ہو سکتی تھی جو مکہ فتح کرنے سے مشہود ہوئی۔ کیونکہ اگر مکہ مفتوح ہونے کے بجائے دار الہجرت قرار پاتا، تو آپ ﷺ ابلیس کی شیطانیت کے مقابل اولادِ آدمؑ میں سے مخلصین کی حتمی فتح کی علامت نہیں بن سکتے تھے (جیسا کہ بیان ہو چکا)۔

مدینہ کے بجائے مکہ میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے میں ایک اور حکمت پوشیدہ ہے اور یہ بھی ہجرت سے منسلک ہے۔ مدینہ کے باسی بنیادی طور پر زراعت پیشہ تھے اور اہل مکہ کی اکثریت تجارت پیشہ تھی۔ یہ بڑی واضح بات ہے کہ تجارت پیشہ لوگوں کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہونا (چاہے دلی رضامندی یا مجبوری کی صورت میں ہو) نسبتاً آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مال و اسباب کے ساتھ نقل مکانی کر سکتے ہیں جبکہ زراعت پیشہ افراد ظاہر ہے زمین اٹھا کر کہیں اور نہیں لے جا سکتے۔ پھر تجارت سے منسلک افراد عام طور پر نہ صرف نقل مکانی کے مضر اثرات پر جلد قابو پا لیتے ہیں بلکہ نئے ماحول میں اپنی سابقہ ہنر مندی کے ذریعے تیزی سے ترقی کرتے ہیں جبکہ زراعت پیشہ لوگ نہ صرف اپنی زمین سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں بلکہ نئے علاقے میں جا کر کاشت کاری ان کے لیے خاصی دوبھر ہوتی ہے۔ اس لیے اگر آپ ﷺ مدینہ میں مبعوث ہوتے تو مدنی لوگوں کو ہجرت کرنے میں کافی دشواری محسوس ہوتی، اور مکہ کی طرف ہجرت کرنے سے مزید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل پیدا ہوتے کیونکہ وہاں قابل کاشت زمین ناکافی ہے، اوراس پر مستزاد تجارت پیشہ لوگ وسیع پیمانے پر اپنی تجارت میں کاشت کاروں کو بھی نہ کھپا سکتے۔ مکہ میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے معکوس عمل وقوع پذیر ہوا۔ زراعت پیشہ افراد کو اپنی قابل کاشت زمین چھوڑنے کے تو بہ شکن عمل سے نہ گزرنا پڑا اور تجارت پیشہ مہاجر نئے ماحول میں بوجھ بننے کے بجائے زراعت پیشہ افراد کا ہاتھ بٹاتے ہوئے تجارت کو روز افزوں ترقی دینے لگے۔

ہمارے ہاں کیونکہ عام طور پر ہجرت کے عمل کو romanticise کیا جاتا ہے اور معروضی حقائق اور انسانی فطرت کی مقتضیات سے چشم پوشی کی جاتی ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں چند اہم واقعات کا ذکر کر دیا جائے۔

سیرت النبی ﷺ / ابن ہشام کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ نے اکھٹے ہجرت کی۔ قباء کے مقام پر ابوجہل بن ہشام اور حرث بن ہشام، حضرت عیاشؓ کو تلاش کرتے آ پہنچے، یہ دونوں ان کے چچازاد اور ماں شریک بھائی تھے۔ انھوں نے کہا کہ تمھاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمھیں نہ دیکھے گی نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ سایہ میں بیٹھے گی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بہت سمجھایا کہ یہ تمھیں لے جانے کے لیے ایک چال ہے۔ مگر وہ کہنے لگے کہ اول تو مجھے ماں کی قسم پوری کرنی ہے دوسرے یہ کہ میرا مال بھی وہاں ہے اس کو لے کر چلا آؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمھاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو وہ ضرور کنگھی کرے گی اور جب مکہ کی دھوپ اسے بے چین کرے گی تو وہ خود بخود سایہ میں بھاگ آئے گی اور جس مال کا تم کو خیال ہے تو سمجھو کہ تمھارا مال میرے مال کے نصف کے برابر بھی نہیں ہے جو میں چھوڑ آیا ہوں اور میں اس کا خیال تک نہیں کرتا، حالانکہ میں قریش میں اول درجے کا مال دار ہوں۔ المختصر! حضرت عیاشؓ نے حضرت عمرؓ کی نصیحت نہ مانی اور ابوجہل اور حرث کے جھانسے میں آ گئے، انھوں نے مکہ لے جا کر عیاشؓ کو گھر میں قید کر لیا۔

اسی طرح حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے جب اہل مکہ کو حضور ﷺ کی روانگی کی اطلاع کا خط ایک عورت کو دے کر بھیجا اور حضرت عمرؓ نے انھیں خائن قرار دے کر آپ ﷺ سے ان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> یا حاطب ما حملك علی ما صنعت ؟
>
> ''حاطب، تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ ''
>
> حاطبؓ کا جواب بہت اہم ہے :
>
> ''حاطبؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا، بات صرف اتنی ہے کہ میں نے چاہا تھا کہ مکہ کے لوگوں پر میرا احسان ہو جائے اور اس کے بدلہ میں وہ میرے اہل خاندان اور میرے مال کی حفاظت کریں، آپ ﷺ کے جتنے مہاجر صحابہؓ ہیں ان میں ایسا کوئی نہیں جس کے مکہ میں ان کی قوم میں ایسے لوگ نہ ہوں جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت نہ کرتے ہوں (جبکہ میرا وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا)''

حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، بھلائی کے سوا ان کے متعلق اور کچھ نہ کہو، بیان کیا عمرؓ نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے خیانت کی ہے مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماروں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے نہیں ہیں؟ تمھیں کیا معلوم اللہ تعالی ان کے اعمال سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقف تھا اور پھر فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے جنت تمھارے لیے لکھ دی ہے۔ اس پر عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کی، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے''۔ (صحیح بخاری)

اب ذرا حاطبؓ کے ''جواز'' پر غور فرمائیے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ نہ صرف مکہ کے مہاجرین کو تجارت پیشہ ہونے کے ناتے مدینہ میں قابل انتقال اشیاء لے جانے کی سہولت حاصل تھی بلکہ پیچھے چھوڑے ہوئے مال واسباب وعزیز رشتے داروں کی حفاظت کا بھی قدرے انتظام موجود تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے بھی حاطبؓ کے جواز پر فرمایا ''سچ کہا، بھلائی کے سوا ان کے متعلق اور کچھ نہ کہو''۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ''مال واولاد'' کے متعلق انسانی فطرت کی مقتضیات سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس سلسلے میں خدائی احکامات کی روشنی میں ہر ممکن گنجائش دینے پر تیار تھے، جبکہ فاروق اعظمؓ مذکورہ دونوں واقعات میں اپنے شخصی مزاج کا برملا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

صدیق اکبر کے متعلق نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں، وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا خلیل بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لے کافی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کر دے۔''

لیکن یہی صدیق اکبرؓ جو ایک غزوہ کی تیاری کی خاطر گھر کا سارا سامان اٹھا لائے تھے اور آپ ﷺ کے استفسار پر جواب دیا تھا کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں، انھوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے بیٹے عبدالرحمان کو، جو مشرکین کے ساتھ آیا تھا، انسانی فطرت کی طرف اشارہ کرنے کی خاطر اس طرح مخاطب کیا: اے خبیث میرا مال کہاں ہے؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

> لم یبق غیر شکة ویعبوب وصارم یقتل ضلال الشیب (سیرت النبی/ابن ہشام)
>
> ''ہتھیار اور طرارے بھرنے والے گھوڑے اور اس تلوار کے سوا جو بوڑھے گمراہوں کو قتل کرتی ہے اور کچھ باقی نہیں رہا۔''

اسی طرح ابواحمدؓ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ سے اپنے اس مکان کے بارے میں عرض کیا جسے ابوسفیان (ان کی ہجرت کے دوران) فروخت کر چکا تھا۔ یہ تمام واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی ہجرت سے انسانی فطرت کی مقتضیات کے پیش نظر کافی زیادہ پیچیدگیاں جنم لے سکتی تھیں، اس لیے اللہ رب العزت نے خاص حکمت کے تحت ہی آپ ﷺ کو مدینہ کے بجائے مکہ میں مبعوث فرمایا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ (۱۷)

ہجرتِ مدینہ اور مکی سماج

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کوچ کرنے کا حکم ایک ایسے وقت میں دیا جبکہ مکی سماج ابھی ہجرتِ حبشہ کی پیدا کردہ اضطرابی لہروں سے پوری طرح سنبھل نہ پایا تھا۔ اس سلسلے میں ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کے درمیانی زمانے کا ''دورانیہ'' بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کسی بھی سطح پر سماجی تبدیلی کے خواہاں ہیں، انھیں اس دورانیے میں مضمر حکمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا احاطہ کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ فرض کریں اگر ہجرت حبشہ کے فوراً بعد یا کچھ عرصہ بعد ہی آپ ﷺ مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیتے تو دونوں ہجرتوں کا ''دورانیہ'' کم ہونے کے باعث مکی سماج لازماً ''اضطرابِ محض'' سے دوچار ہوتا۔ یہ حقیقت میں ''دورانیہ'' ہی ہے جس کی وجہ سے پہلی ہجرت کی اضطرابی لہریں پھیلتی چلی گئیں اور ان کے پیدا کردہ اثرات پورے امکانات سمیت منصۂ شہود پر آئے۔ اگر یہ دورانیہ بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتا تو پہلے دھچکے کے بعد لگاتار دوسرا دھچکا فکر و تردد پیدا کرنے کے بجائے سماجی حواس باختگی اور نفسیاتی بے حسی کا باعث بنتا۔ اگر یہ دورانیہ زیادہ طویل ہو جاتا تو پہلے دھچکے کی پیدا کردہ اضطرابی لہریں بالکل معدوم ہو چکی ہوتیں اور دوسرا دھچکا انھیں مہمیز کرنے کے بجائے پرانے عمل کو نئے سرے سے شروع کر دیتا اور چونکہ مکی سماج اس عمل سے گزرنے کے باعث اس سے مانوس ہو چکا تھا، اس لیے اس کے لیے کوئی نئے مسائل پیدا نہ کرتا۔ لہٰذا دونوں ہجرتوں کے درمیانی زمانے کا دورانیہ آپ ﷺ کے اعلیٰ تدبر پر دلالت کرتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ ابن ہشام کے مطابق مدینہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والے صحابی حضرت ابوسلمہؓ تھے۔ یہ حبشہ جا کر مکہ واپس آئے تھے اور انھوں نے عقبہ کی بیعت سے ایک سال قبل انصار کے اسلام لانے کی خبر سن کر مدینہ جانے کا قصد کیا۔ یہ اپنی بیوی حضرت ام سلمہؓ اور بچے کو اونٹ پر بٹھا کر ابھی روانہ ہی ہوئے تھے کہ حضرت امِ سلمہؓ کے قبیلے کے لوگوں نے انھیں آ گھیرا کہ ہماری لڑکی کو کہاں کہاں لیے پھرو گے؟ یہ لوگ حضرت ام سلمہؓ کو زبردستی چھین کر لے گئے۔ اس پر حضرت ابوسلمہؓ کے قبیلے کے لوگ بہت خفا ہوئے، انھوں نے بچے کو یہ کہہ کر حضرت ام سلمہؓ سے چھین لیا کہ یہ بچہ ابوسلمہؓ کا ہے۔ اس طرح میاں، بیوی اور بچہ، تینوں الگ الگ ہو گئے۔ حضرت ابوسلمہؓ مدینہ چلے گئے۔ حضرت امِ سلمہؓ ایک سال تک بچے کے بغیر تنہا رہیں۔ پھر ایک روز ان کے چچا کے بیٹوں میں سے کسی نے انھیں روتے دیکھ کر ان کی رہائی کی کوشش کی۔ حضرت ابوسلمہؓ کے خاندان نے بچہ بھی واپس دے دیا۔ بچہ لینے کے بعد حضرت ام سلمہؓ تنہا مدینے کے لیے روانہ ہو گئیں۔ مقام تنعیم پر (مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک مقام) انھیں عثمان بن طلحہ ملا۔ کہنے لگا قسم ہے خدا کی، میں تمھیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور چل پڑا۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ مہاجرین میں سے جو مصیبت ہم کو پہنچی اور جیسا نیک دل اور با مروت میں نے عثمان بن طلحہ کو پایا، ایسا اور کسی کو نہیں پایا۔ کہتی ہیں کہ جب ہم کسی منزل پر پہنچتے تو عثمان، اونٹ کو بٹھا کر خود دور ہٹ جاتے، جب میں بچے کو لے اتر آتی تو وہ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے جا لیٹتے۔ جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو لا کر بٹھاتے۔ الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاتے اور مجھ سے کہتے سوار ہو جاؤ، میرے سوار ہونے کے بعد اونٹ کی نکیل تھام کر چل پڑتے۔ جب قبا کی بستی نظر آئی، تو کہنے لگے تمھارے شوہر وہاں ہیں، چلی جاؤ، اللہ تمھیں برکت دے۔ اس کے بعد جیسے پیدل آئے تھے، ویسے ہی پیدل مکہ کی طرف چل پڑے۔

اس واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ذرا تھوڑی دیر مکہ کے ان باسیوں کے متعلق سوچیے، جنھیں ہم آج کے محاورے میں ''خاموش اکثریت'' کہہ سکتے ہیں۔ سیاسی سطح پر جتنا بھی منفی ردِعمل سامنے آیا ہو اور سیاسی فرعونوں نے جتنے بھی منفی حربے استعمال کیے ہوں، اس کے باوجود ایک بات بہت واضح ہے کہ کم از کم مکی سماج، ہجرت اور ہجرت کے اسباب کی بابت کافی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حساس ہو چکا تھا اور اپنی روایتی وضع داری کی آڑ میں مہاجرین کے لیے نرم گوشہ رکھے ہوئے تھا۔ مثال کے طور پر سیرت النبی ﷺ ابن ہشام میں مذکور اس واقعہ کو لیجیے کہ غزوہ احد میں حضرت عمرؓ کا مقابلہ ضرارؓ سے (جو ابھی کافر تھے) ہوا، ضرارؓ نے حضرت عمرؓ کو نیزے کی ڈانڈ لگا کر کہا، اے ابن خطاب! تم چلے جاؤ، میں تم کو قتل نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ جب مسلمان ہوئے تو اپنے عظیم باپ سے کہنے لگے، بدر کے میدان میں آپؓ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے والد سمجھ کر چھوڑ دیا۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا، بیٹا اگر تم میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں تمھیں کبھی نہ چھوڑتا۔ باپ بیٹے کے اس مکالمے پر کئی پہلوؤں سے بات ہو سکتی ہے، لیکن عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے الفاظ اور عمل میں ہجرتِ مدینہ کے سماجی اثرات کی تھرتھراہٹیں پوری طرح محسوس کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب بنی جحش نے ہجرت کی اور عتبہ بن ربیعہ، حضرت عباسؓ جو (ابھی غیر مسلم تھے) اور ابوجہل کا ان کے مکانوں کی طرف گزر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر یہ شعر پڑھا:

و کل دار و ان طالت سلامتها
یوما ستدرکها النکباء والحوب

''کوئی گھر کتنا ہی زمانہ دراز تک سلامت رہے، آخر ایک روز اس کے واسطے زوال اور ویرانی ضروری ہے''۔

پھر عتبہ نے کہا دیکھو، بنی جحش کا گھر بھی رہنے والوں سے خالی ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا، یہ ساری کارروائی میرے بھتیجے محمد ﷺ کی ہے، اسی نے ہماری جماعتوں کو متفرق کیا ہے ہمارے درمیان جدائی ڈالی ہے اور تفرقہ اندازی کی ہے۔ اس باہمی گفتگو میں عتبہ بن ربیعہ کی حسرت اور ابوجہل کی تلملاہٹ صاف چغلی کھا رہی ہیں کہ ہجرتِ مدینہ سے مکی سماج متزلزل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میدانِ بدر میں شکستِ فاش سے مکی سماج کو ایک اور زبردست دھچکا لگا۔ اس غزوہ میں کفار کے بڑے بڑے جنگی سورما قتل ہوئے اور باقی قیدی بنا لیے گئے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدر میں کفار کی عبرت ناک شکست کے بعد اسلامی لشکر نے (اگر اسے لشکر کہنا مناسب ہو) پیش قدمی کر کے آخر مکہ پر قبضہ کیوں نہیں کر لیا؟ اس وقت میثاق مدینہ کی وجہ سے پشت پر یہود کے حملے کا خطرہ بھی فی الحال موجود نہیں تھا۔ ہماری رائے میں مکہ کی طرف پیش قدمی نہ کرنے کی چند وجوہات یہ ہو سکتی ہیں:

(ا) اسلامی معاشرہ ابھی تشکیلی دور (Formative Phase) میں تھا اس لیے فتح مکہ کی صورت میں مکی سماج کو پیش کرنے کے لیے متبادل نظامِ اقدار (Alternative System of Norms & Values) موجود نہیں تھا۔

(ب) اسلام ایک عسکری قوت کے طور پر ابھی اتنا طاقتور نہیں تھا کہ محض طاقت کے بل بوتے پر تادیر مکہ پر قبضہ برقرار رکھ سکتا۔

(ج) سیاسی و عسکری میدان میں شکست کھانے کے باوجود مکہ میں سماجی سطح پر اسلام مخالف خیالات و جذبات لازماً موجود ہوتے، کیونکہ کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، اور کسی کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا یا قید ہوا تھا (۱۸)۔ اور یہ حقیقت نوشتہ دیوار ہے کہ فاتح قوم کو اگر مفتوح قوم کا ''سماج'' قبول نہ کرے تو بغاوتیں برپا ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے اندریں حالات مکہ پر قبضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک پرآشوب دور کا آغاز ہوتا، جس کا اسلامی معاشرہ اپنے تشکیلی دور میں ہرگز متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ بغاوتوں کا قلع قمع کرنے کے چکر میں اسلامی معاشرے کے اندر (تشکیلی دور میں ہونے کی وجہ سے) ظلم و بربریت جیسے عناصر سرایت کر جاتے اور مستقبل میں اسلامی معاشرہ نظامِ اقدار کے بجائے بربریت کی علامت (Symbol of Barbarism) سمجھا جاتا۔

(د) اسلام کی عسکری فتح کے خلاف اہلِ مکہ کی سماجی مدافعت (Social Resistance) بڑھتی چلی جاتی اور مسلمانوں کو بالآخر پسپائی اختیار کرنی پڑتی، اس طرح مکہ پر قبضہ عارضی ثابت ہوتا۔ اس سے کفار کو تقویت ملتی اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑتی، جس کے نتیجے میں اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدر کے میدان میں شاندار عسکری کامیابی کے بعد مسلمانوں کی مدینہ واپسی نبی خاتم ﷺ کے اعلیٰ تدبر پر دلالت کرتی ہے۔ مکی سماج کی سیاسی قیادت نے بدر میں شکستِ فاش پر پیچ وتاب کھاتے ہوئے احد واحزاب کے میدان لگائے اور پھر شکست سے دوچار ہوئے۔ مسلمانوں کی ان پے در پے فتوحات کے متوازی اسلامی معاشرہ بھی ارتقائی منازل طے کر رہا تھا اور گروہی عزم ''سماجی کردار'' میں مسلسل ڈھل رہا تھا۔ اس کے برعکس مکی سماج جو دو ہجرتوں سے پہلے ہی داخلی توڑ پھوڑ کا شکار تھا، عسکری میدان میں مسلسل پسپائی اور نامور سرداروں کے قتل ہونے سے مزید شکست خوردہ اور ذہنی خجالت کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اس دوران میں اہلِ مکہ کو مسلم گروہی عزم کے چشم کشا سماجی کردار سے بھی مسلسل واسطہ پڑ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے جب قحط کے زمانے میں مکہ میں غلہ بھیجنے کی پابندی اٹھالی اور پانچ سو اشرفیاں بھی غربا کی امداد کی خاطر بھیجیں تو یقیناً اس سے مکی سماج متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ امداد بھیجنے کا آپ ﷺ کا یہ فیصلہ صرف سیاسی فیصلہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے گروہی عزم کا سماجی کردار بدرجہ اتم موجود تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ بھی آپ ﷺ کی مدبرانہ قیادت، مسلم گروہی عزم اور سماجی کردار کی آئینہ دار ہونے کے ناتے ایک مکمل نظامِ اقدار کی حامل تھی، اسی لیے اسے 'فتح مبین' کہا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ غزوہ بدر کے بعد سے ۸ ہجری تک کے حالات وواقعات، مکی سماج کے باطل نظامِ اقدار کو تہس نہس کر چکے تھے۔ آپ ﷺ حضرت امِ حبیبہؓ سے نکاح کر چکے تھے جن کے شوہر عبید اللہ بن جحش حبشہ جا کر مرتد ہو گئے تھے اور وہ مکہ کے سردار ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں، اس لیے جب مسلمانوں نے نبی خاتم ﷺ کی قیادت میں مکہ کی طرف پیش قدمی کی تو اہلِ مکہ کی سیاسی قیادت (ابوسفیانؓ، جو ابھی غیر مسلم تھے) بے دست و پا ہو چکی تھی کیونکہ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسے حربی نابغے اسلام قبول کر چکے تھے جن کے متعلق نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ مکے نے تمھارے سامنے اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیے ہیں۔ لہٰذا جب مکہ فتح ہوا تو مکی سماج اسلامی نظامِ اقدار کو قبول کرنے کے لیے پوری طرح تیار کھڑا تھا کیونکہ اس وقت تک خود اسلامی معاشرہ بھی اپنا تشکیلی دور پورا کر چکا تھا۔ اس لیے فتح مکہ کے موقع پر کوئی سماجی ردِعمل سامنے نہیں آیا اور نہ ہی فتح مکہ کے بعد سماجی سطح پر کوئی منفی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ اگر ہم دیگر اقوام کی فتوحات کا فتح مکہ سے موازنہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مفتوح قومیں سیاسی وعسکری میدانوں میں شکست کھانے کے باوجود سماجی سطح پر فاتح قوم کے غلبے کو اکثر وبیشتر قبول نہیں کرتی تھیں، جس کی وجہ سے فاتح قوم کو بسا اوقات سماجی ہم آہنگی کی خاطر اپنی اساسی اقدار پر بھی سمجھوتہ کرنا پڑتا تھا، جس کے نتیجے میں وہ حقیقتاً خود مفتوح ہو جاتی تھی۔ اگر فاتح قوم سماجی ہم آہنگی کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتی تو اس کا لازمی نتیجہ فاتح اور مفتوح، دو فریقوں کی صورت میں رونما ہوتا تھا، جو ہمیشہ ایک دوسرے کے حریف بنے رہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔لیکن فتح مکہ کے بعد ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی، فاتح ومفتوح کے کسی تصور نے جنم نہیں لیا اور نہ ہی اسلامی اساسی اقدار پر کوئی سمجھوتہ کیا گیا۔(۱۹)

ہجرتِ مدینہ اور مدنی سماج

ہجرتِ مدینہ کے بعد چند برسوں کے اندر ہی مدنی سماج میں جو دیرپا انقلابی تبدیلی رونما ہوئی، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مدینہ کسی ایک قبیلے کا شہر نہیں تھا، اس میں اوس اور خزرج رہائش پذیر تھے جبکہ مکہ میں صرف قریش اور طائف میں صرف ثقیف بستے تھے۔اسی طرح مکہ اور طائف کے برعکس مدینے کے تمام باشندے عرب نہیں تھے، ان میں کافی بڑی تعداد میں یہودی بھی موجود تھے۔اس لیے مسلمانوں کی ہجرتِ مدینہ سے قبل ہمیں ایک طرف اوس وخزرج باہم دست وگریباں نظر آتے ہیں تو دوسری طرف یہود کے ساتھ ان کی کشمکش وچپقلش کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔نسل درنسل مخاصمت کی وجہ سے اوس وخزرج اور یہود ایک دوسرے کی قیادت قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔مدینے کے ایسے بحرانی حالات میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کو قریش مکہ کی دھمکیوں کے باوجود غیر جانبدارانہ انداز میں لیا گیا اور ایک چوتھا گروہ مہاجرین کے روپ میں مدنی معاشرت کے مجموعی دھارے میں شامل ہو گیا۔سیرت النبی ﷺ ابن ہشام کے مطابق نبی خاتم ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد اپنے دوسرے خطبے میں مسلمانوں کو خدا سے کیے گئے ''عہد'' کی پاسداری کا درس دیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اور خدا سے جو عہد کیا ہے، اس کو سچا کر دکھاؤ اور آپس میں اس روح ایمانی کے ساتھ جو تمھارے اندر داخل ہوئی ہے، ایک دوسرے سے محبت کرو۔ بے شک اللہ اس بات سے غضب ناک ہوتا ہے کہ اس کا عہد توڑا جائے''۔

نبی پاک ﷺ نے مدنی دور کے آغاز میں جس طرح عہد پر زور دیا، اتنی وضاحت کے ساتھ یہ امر ہمیں مکی دور میں نظر نہیں آتا، مثلاً مکی دور کی یہ آیت دیکھیے:

وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ (النحل۱۶/۹۱)

''اور پورا کرو اللہ کا عہد جب بھی تم نے اس سے کوئی عہد کیا ہو اور مت توڑو قسمیں بعد ان کو پختہ کرنے کے اور جب کہ بنا چکے ہو تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ، بے شک اللہ جانتا ہے اس کو جو تم کرتے ہو''۔

مدنی دور میں 'عہد' کے ساتھ ساتھ 'میثاق' کے لفظ کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا اور اس کا رسول ﷺ ''پختہ عہد'' لینے سے قبل عہد نبھانے کے لیے لازم ''عزم'' کی پختگی چاہتے تھے۔ہجرتِ مدینہ تک کے عرصہ میں مسلمانوں کا شخصی وگروہی عزم پختہ ہو چکا تھا۔یہ عزم ایک مرحلہ شوق طے کر کے مسلم معاشرت کے بنیادی خاکے کی تشکیل کر چکا تھا۔اب وقت آ گیا تھا کہ ارتقا پذیر مسلم معاشرے سے ''پختہ عہد'' لے لیا جائے کہ پختہ عزم اب اسے پختہ عہد سے مکمل غافل نہیں ہونے دے گا:

الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَيُفسِدُونَ فِیُ الأَرضِ أُولَـئِكَ هُمُ الخَاسِرُونَ (البقرۃ۲/۲۷)

''جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں ان (رشتوں) کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے جن کے جوڑنے کا اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں حقیقت میں نقصان اٹھانے والے''

بَلَى مَنُ أَوُفَى بِعَهُدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الُمُتَّقِيُنَ (آل عمران۳/۷۶)

''ہاں! جس نے پورا کیا اپنا عہد اور اللہ سے ڈرا تو بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو''۔

چونکہ میثاق مدینہ میں مسلم اور غیر مسلم دونوں گروہ شامل تھے، اس لیے اس وحدت کے باوجود معاشرت و سیاست میں اسلامی تشخص (Islamic Identity) کی امتیازی حیثیت کا اظہار ''ایفا'' جیسی اہم قدر سے ہوتا رہا۔ اس کے برعکس غیر مسلم تشخص (Non Muslim Identity) کا اظہار عہد شکنی سے منسلک رہا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّهِ الَّذِيُنَ كَفَرُواُ فَهُمُ لاَ يُؤُمِنُونَ () الَّذِيُنَ عَاهَدتَّ مِنُهُمُ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهُدَهُمُ فِیُ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمُ لاَ يَتَّقُون (الانفال۸/۵۵،۵۶)

''بے شک سب سے برے زمین میں چلنے والی مخلوق میں سے، نزدیک اللہ کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سو یہ (اب) ایمان نہ لائیں گے۔ (خصوصاً) وہ لوگ کہ معاہدہ کیا تھا تم نے ان سے، پھر توڑ دیتے رہے وہ اپنے عہد کو ہر موقع پر اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے''۔

الَّذِيُنَ عَاهَدتَّ مِنُهُمُ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهُدَهُمُ فِیُ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمُ لاَ يَتَّقُون (الانفال ۸/۵۶)

''(خصوصاً) وہ لوگ کہ عہد کیا تھا تم نے ان سے، پھر توڑ دیتے رہے وہ اپنے عہد کو ہر موقع پر اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے''۔

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُواُ عَهُداً نَّبَذَهُ فَرِيُقٌ مِّنُهُم بَلُ أَكُثَرُهُمُ لاَ يُؤُمِنُونَ (البقرۃ۲/۱۰۰)

''کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب بھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو اٹھا کر پھینک دیا اس کو ایک گروہ نے ان ہی میں سے، حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے''۔

بہت جلد ہی مدنی معاشرت کی ساخت میں بنیادی تبدیلی رونما ہونی شروع ہوئی۔ میثاق مدینہ اور مواخات کے ذریعے مدنی معاشرے کی ایک نئی تقسیم عمل میں آئی۔ مواخات کے باعث اوس وخزرج اور مہاجر مسلمان ایک معاشرتی وحدت میں ڈھلتے چلے گئے اور میثاق مدینہ میں مسلمانوں کے باہمی حقوق وفرائض کے علاوہ یہودیوں کا مقام متعین ہونے سے معاشرتی وسیاسی نظم، تنوع آشنا ہوتا گیا۔ (۲۰) اس وقت مدینے کی دس ہزار (۱۰۰۰۰) آبادی میں مسلمان صرف پانچ سو (۵۰۰) کی تعداد میں تھے۔ اس لیے Demographic Balance واضح طور پر یہودیوں کے حق میں تھا۔ یہ یقیناً تشویش ناک صورتِ حال تھی اور اس میں مزید نزاکت اس طرح پیدا ہوئی کہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک مہاجرین کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، جس کا یہودیوں نے خوب منفی پراپیگنڈا کیا۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے رسول پاک ﷺ نے خدائی حکم کی اتباع میں مدینہ کو دار الہجرت قرار دے کر اسلام کی قبولیت کو ہجرت کے ساتھ مشروط کر دیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَلَمْ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلاَيَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُواْ
(الانفال ۸/۷۲)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی، نہیں ہے تمھیں ان کی رفاقت سے کچھ بھی (تعلق) جب تک کہ (نہ) ہجرت کر آئیں وہ بھی۔''

وَدُّواْ لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُواْ فَتَكُونُونَ سَوَاء فَلاَ تَتَّخِذُواْ مِنْهُمْ أَوْلِيَاء حَتَّىَ يُهَاجِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتَّمُوهُمْ وَلاَ تَتَّخِذُواْ مِنْهُمْ وَلِيّاً وَلاَ نَصِيراً (النساء ۴/۸۹)

''دل سے چاہتے ہیں (یہ منافق) کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے کافر ہو گئے ہیں وہ تا کہ ہو جاؤ تم (اور وہ) ایک جیسے، لہٰذا مت بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست جب تک کہ نہ ہجرت کریں وہ اللہ کی راہ میں، پھر رو گردانی کریں وہ (ہجرت سے) تو پکڑو انھیں اور قتل کرو جہاں کہیں پاؤ تم انھیں اور نہ بناؤ تم ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار''۔

ایمان کو ہجرت کے ساتھ منسلک کرنے کے علاوہ ترہیبی احکامات سے ہجرت کے عمل کو تیز کیا گیا:

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُواْ فِيْمَ كُنتُمْ قَالُواْ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الأَرْضِ قَالْوَاْ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُواْ فِيْهَا فَأُوْلَـئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءتْ مَصِيْراً ○ إِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ لاَ يَسْتَطِيْعُونَ حِيْلَةً وَلاَ يَهْتَدُونَ سَبِيْلاً (النساء ۴/۹۷،۹۸)

''بے شک وہ لوگ کہ روح قبض کریں گے ان کی فرشتے اس حال میں کہ وہ ظلم کر رہے تھے اپنی جانوں پر، پوچھیں گے ان سے فرشتے، تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہیں گے، تھے ہم کمزور اور بے بس اپنی سر زمین میں۔ فرشتے کہیں گے کیا نہیں تھی اللہ کی زمین وسیع کہ ہجرت کر جاتے تم اس میں؟ سو یہی وہ لوگ ہیں کہ ٹھکانہ ہے ان کا جہنم اور وہ بہت بری جگہ ہے''۔

اس کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا اور مدینے کے باہر کے نومسلموں کے مدینہ میں بسنے سے مسلم آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مسلم آبادی میں اضافے کے باوجود ایک بڑا خطرہ مدینے کی وباؤں کی شکل میں موجود تھا، مدینے کو یثرب (ہلاکت کی جگہ) بھی غالباً انھی وباؤں کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''جب ہم مدینہ آئے تو یہ خدا کی سب سے زیادہ وبا والی سر زمین تھی، انھوں نے (اس کی وجہ بتائی) کہ وادی بطحان (مدینہ کی ایک وادی) سے متعفن اور بدبودار پانی بہا کرتا تھا''۔ (صحیح بخاری)

اب مہاجرین کے دل ایک طرف غریب الوطنی سے چھلنی تھے اور دوسری طرف وباؤں نے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ بلالؓ کا جب بخار اترتا تو وہ بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے:

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة بواد وحولی اذخر وجلیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وهل اردن یوما میاہ مجنة وهل یبدون لی شامة وطفیل

''کاش ! ایک رات میں مکہ کی وادی میں گزار سکتا اور میرے چاروں طرف اذخر اور جلیل (گھاس) ہوتیں۔
کاش !ایک دن میں مجنہ کے پانی پر پہنچتا اور کاش میں شامہ اور طفیل (پہاڑوں) کو دیکھ سکتا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ،اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف کو اپنی رحمتوں سے دور کر دے جس طرح انھوں نے ہمیں اپنے وطن سے اس بیماری کی زمین میں نکالا ہے۔'' (صحیح بخاری)

نبی پاک ﷺ نے مہاجرین کے قدم جمانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد اللھم بارك لنا فی صاعنا وفی مدنا وصححها لنا وانقل حما ھا الی الحجفة (صحیح بخاری)

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت اسی طرح پیدا کر دے جس طرح مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما اور اسے ہمارے مناسب کر دے، یہاں کے بخار کو جحفہ منتقل کر دے''۔

اس سنگین صورتِ حال میں بعض نومسلم دینِ حق سے برگشتہ ہونے پر تلے ہوئے تھے، ان کی برگشتگی کے مضر اثرات کا تدارک بھی بہت ضروری تھا۔ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام پر بیعت کی، دوسرے دن آیا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا، کہنے لگا کہ میری بیعت فسخ کر دیجیے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ تو انکار فرمایا، پھر کہا:

انها تنفی الرجال کما تنفی النار خبث الحدید (صحیح بخاری)

''مدینہ (برے لوگوں) کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کا میل کچیل دور کر دیتی ہے''۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مصائب میں گھرے مہاجرین کی بابت فرمایا :

وَمَن يُهَاجِرْ فِيُ سَبِيلِ اللّهِ يَجِدْ فِيُ الأَرْضِ مُرَاغَماً كَثِيراً وَسَعَةً وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِراً إِلَى اللّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلى اللّهِ وَكَانَ اللّهُ غَفُوراً رَّحِيما (النساء۴/۱۰۰)

''اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں، پائے گا وہ زمین میں ٹھکانے بہت سے اور فراخی اور جو نکلا اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف، پھر آ لیا اس کو موت نے تو ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ، اور ہے اللہ بے حد معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا''۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا:

من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت بها فمن فات بالمدینة کنت له شفیعا یوم القیامة (ترمذی، مسند احمد)

''جو شخص مدینہ میں وفات پا سکتا ہو، اسے مدینہ میں وفات پانا چاہیے اور جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا، قیامت کے دن میں اس کی سفارش کروں گا''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ان احکامات سے یقیناً مسلمانوں کو بہت حوصلہ ہوا اور ہجرت کرنے اور مدینہ میں رہنے کی مزید ترغیب ملی۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ صرف غیر مدنی نو مسلموں کو ہی مدینہ میں رہنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ مدینہ میں پہلے سے موجود مسلمانوں کو بھی ان کی نصرت پر ابھارا گیا، جس کے نتیجے میں یہ دو طرفہ عمل تیزی سے ثمر آور ہوتا گیا:

وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال ۸/۷۴)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی (ان کو) اور مدد کی، یہی لوگ ہیں جو مومن ہیں سچے ان کے لیے ہے بخشش اور روزی عزت کی''۔

اس کے باوجود مکہ کے مقابلے میں مدینہ کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں تھی۔ مکہ صدیوں سے عالم انسانیت کا مرکز چلا آ رہا تھا اور اس وقت بھی لوگوں کے اذہان میں مکہ کی یہی اہمیت جاگزیں تھی۔ آپ ﷺ نے مدینے کی فضیلت اجاگر کرنے کے لیے دعا فرمائی:

اللهم ان ابراهيم عبدك وخليلك ونبيك وانى عبدك ونبيك وانه دعاك لمكة وانى ادعوك للمدينة بمثل ما دعاك للمدينة ومثله معه (صحیح مسلم)

''اے اللہ! ابراہیمؑ تیرے خاص بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انھوں نے مکہ کی خیر و برکت کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں بھی مدینہ کی خیر و برکت کے لیے تجھ سے دعا کرتا ہوں بلکہ اتنی ہی اور زیادہ۔''

اللهم اجعل بالمدينة ضعفى ما جعلت بمكة من البركة (صحیح بخاری)

''اے اللہ! جتنی آپ نے مکہ میں برکت عطا فرمائی ہے مدینہ میں اس سے دوگنی برکت نازل فرمائیے''

اور مکہ کی طرح مدینہ کو بھی آپ ﷺ نے حرم قرار دیا:

المدينة حرم ما بين عير و ثور (صحیح مسلم)

''مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے''۔

ان ابراهيم حرم مكة وانى حرمت المدينة (صحیح مسلم)

''ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

ما بين لا بتيها حرام (صحیح بخاری)

''مدینہ کے دو پتھریلے علاقے کے درمیان حرم ہے''۔

اس طرح خدا اور اس کے رسول ﷺ کے واضح فرمودات سے نو مسلموں کی ہجرت کا سلسلہ جاری رہا اور غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مدینہ میں اسلامی معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتا چلا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق ۲ ہجری تک مسلمانوں کی تعداد تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ (۲۱) خیال رہے کہ مکی مہاجرین کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ دیگر مہاجرین کے ''عزم کی تشکیل اور پختگی'' کا اہتمام مدینے کی مضرِ صحت آب و ہوا سے ہو گیا تھا۔ یہ سب مسلمان مدینے کی بھٹی سے گزر کر جوہر کی صورت میں سامنے آئے تھے، اس لیے کسی قسم کی شخصی میل کچیل، اسلامی معاشرے کی بنیادی ساخت میں کسی طور شامل نہ ہو سکی۔ مدینہ میں رہنے کے لیے مہاجرین کی دلی آمادگی کے بعد، طرزِ معاشرت کا رخ متعین کرنے کے لیے عورتوں کے متعلق رویہ اس طرح سامنے آیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الممتحنۃ ۶۰/۱۰)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، جب آئیں تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی خوب جانچ پڑتال کر لو، اللہ بہتر جانتا ہے ان کے ایمان کو، پس اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو نہ واپس کرو تم انھیں کافروں کی طرف، نہ وہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کے لیے اور نہ وہ کافر مرد حلال ہیں ان عورتوں کے لیے، اور دے دو تم ان کافروں کو جو مہر انھوں نے ادا کیے تھے اور نہیں ہے کچھ گناہ تم پر اس میں کہ نکاح کر لو تم ان سے بشرطیکہ ادا کر دو تم ان کو مہر ان کے، اور مت روکے رکھو (اپنی زوجیت میں) کافر بیویوں کو اور مانگ لو جو (مہر) تم نے دیے تھے اور چاہیے کہ کافر بھی مانگ لیں وہ مہر جو انھوں نے ادا کیے تھے، یہ اللہ کا حکم ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کر رہا ہے تمھارے درمیان، اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا''۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً (الاحزاب ۳۳/۵۰)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ہم نے حلال کر دی ہیں تمھارے لیے تمھاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کر دیے ہوں اور وہ لونڈیاں بھی جو تمھاری ملک میں آئیں اس (مالِ غنیمت) میں سے جو عطا کیا ہے اللہ نے تمھیں اور (حلال کر دی ہیں) تمھاری چچا زاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد جنھوں نے ہجرت کی ہے تمھارے ساتھ اور کوئی مومن عورت اگر ہبہ کرے اپنے نفس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چاہے (تو حلال ہے) اس سے نکاح کرنا، (یہ رعایت) خالصتاً تمھارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں، ہمیں خوب معلوم ہے کہ کیا فرض کیا ہے ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں، (تمھیں ان حدود سے مستثنیٰ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا) تا کہ نہ رہے تم پر کوئی تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا''۔

اگرچہ مہاجرین کی اکثریت نے مدینہ آ کر تجارت وغیرہ شروع کر دی اور ان کے قدم جم گئے تھے لیکن انسانوں کے مزاجوں اور صلاحیتوں میں تفاوت ہونے کے باعث ایسے مہاجرین بھی مدینہ میں موجود تھے جو بالکل مفلوک الحال تھے اور انھی کے مانند مدینہ کے چند مقامی مسلمان بھی سفید پوشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان مقامی و مہاجر لوگوں کے ''عزم'' پر کسی کو کلام نہیں تھا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا تھا کہ ایسے لوگوں کو ''نوخیز اسلامی معاشرہ'' کس طرح لے گا۔ اس حوالے سے اللہ رب العزت نے اس طرح راہنمائی فرمائی:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر ۵۹/۸،۹)

''(نیز وہ مال) ان مفلس مہاجروں کے لیے ہے جو نکال باہر کیے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنی جائیدادوں سے، جو تلاش کرتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی خوشنودی اور مدد کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، یہی لوگ ہیں سچے۔ اور یہ (ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو مقیم تھے دار الہجرت میں اور ایمان لا چکے تھے مہاجرین کی آمد سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی حاجت تک بھی اس چیز کی جو انھیں دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو اپنی ذات پر اگرچہ ہوں خود حاجت مند، اور جو بچا لیے گئے اپنے دل کے لالچ سے، سو وہی ہیں درحقیقت فلاح پانے والے''۔

مسلمانوں کے باہمی تعاون میں ایک لطیف توازن قائم کرنے کا بھی حکم دیا گیا:

وَالَّذِينَ آمَنُواْ مِن بَعْدُ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ مَعَكُمْ فَأُوْلَئِكَ مِنكُمْ وَأُوْلُواْ الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الانفال ۸/۷۵)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے (ان کے) بعد اور جنھوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا تمھارے ساتھ مل کر، سو یہ لوگ بھی تم میں سے ہیں اور خونی رشتے دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں اللہ کی کتاب کی رو سے، بے شک اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے''۔

اسلامی معاشرے کے تشکیلی رویے میں ''عمل اور فعالیت'' کو بطورِ خاص اہمیت دی گئی کیونکہ گروہی عزم کی بازیافت کے بعد تجرد، بے عملی، رہبانیت اور کسی قسم کی لاتعلقی کی گنجائش باقی نہیں تھی۔ عزم میں پختگی کے بعد، عہد کی پاسداری کا تقاضا یہ تھا کہ سماجی فعالیت کا بھرپور مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ مرد و عورت میں فعالیت کے ثمرات کے لحاظ سے مساوات کا ذکر، عسکریت کے بیان کے ساتھ کیا گیا۔ اس طرح جہاد و قتال اور عسکریت، عمرانی مظہر ہونے کے ناتے اسلامی معاشرے کی بنیادی ساخت کا جزو لاینفک بن گئے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لاَ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَاباً مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (ال عمران ۳/۱۹۵)

’’پس قبول فرمالی ان کی دعا ان کے رب نے (اور جواب دیا) کہ بلاشبہ میں نہیں ضائع کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ سو وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی، نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور جنگ کی انھوں نے اور شہید ہوئے، ضرور کفارہ بناؤں گا میں ان کی طرف سے (ان عملوں کو) ان کے گناہوں کا اور ضرور داخل کروں گا میں ان کو جنتوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، یہ ہے اجر اللہ کی جنابِ خاص سے اور اللہ کے پاس ہے بہترین اجر‘‘۔

المختصر! ہجرت کے بعد چند برسوں کے اندر ہی مدنی سماج کو ایک نئی اور آفاقی شناخت حاصل ہوئی۔ اس شناخت کی تشکیل میں منفی اور مثبت دونوں کرداروں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ جو کردار عزم والے تھے، انھوں نے زندگی کے ہر پہلو میں، خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد کی پاسداری میں انتہا درجے کی پختگی کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس کے برعکس عہد شکنی کے مرتکب ہونے والے کردار اصلاً بے عزم تھے، اس لیے زندگی کا ہر پہلو تو درکنار، ایسے لوگ بقائے باہمی کے عہد کی پاسداری کرنے سے بھی قاصر رہے۔ یوں مثبت اور منفی ہر دو کرداروں نے مدنی معاشرت کے روایتی اسلوب کو بدل کر اسے ایک نئی شناخت سے بہرہ مند کر دیا اور مدینہ نبی خاتم ﷺ کی دعاؤں کے مصداق ہو گیا۔

اس ضمن میں صلح حدیبیہ کا واقعہ خاص طور قابل مطالعہ ہے۔

قریش مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ اور پھر قریش کی اس معاہدے کی خلاف ورزی سے مدنی سماج کی اسلامائزیشن میں دو مزید اہم عناصر شامل ہو گئے۔ ان دونوں عناصر کی سماج کاری (Sociality) میں کلیدی کردار، خود سماج کے بجائے قائد کا نظر آتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ صحابہ کرامؓ، معاہدہ حدیبیہ کی بعض شقوں پر مطمئن نہیں تھے، لیکن اس معاہدے سے متعلق آپ ﷺ کے فیصلے کو قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدے سے مسلمانوں کو کم از کم دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ مکی سماج پر واضح ہو گیا کہ مکہ کی سیاسی قیادت کی جارحیت (بدر، احد، احزاب) کے باوجود مسلمان بنیادی طور پر امن کے خواہاں ہیں، اس لیے اگر جنگ ان پر مسلط نہ کی جائے تو وہ خود جنگی عزائم نہیں رکھتے۔ مکہ/ مدینہ باہمی چپقلش کے تناظر میں امن کا یہ پیغام مکی سماج کے لیے درحقیقت بہت بڑا پیغام تھا۔ اس معاہدے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو کفارِ مکہ کے کسی متوقع حملے سے بے نیاز ہو کر یہودیوں کی بیخ کنی کا موقع ملا اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً خیبر کو فتح کر لیا گیا۔ ان دو فوائد کو پیش نظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ کرنا کسی قسم کی شکست کا آئینہ دار نہیں تھا، بلکہ اس معاہدے کے پیچھے زمینی حقائق کا ادراک اور واقعیت پسندی جھلملا رہی تھی۔ اس لیے معاہدہ حدیبیہ کی بظاہر مسلم مخالف شقوں کے باوجود وقتی پسپائی کا حتمی فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ اسی لیے آپ ﷺ کے معاہدہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کی قائدانہ بصیرت کے اعتراف میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن نے اسے ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا۔

جب کچھ عرصے کے بعد قریش نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور قریش مکہ کا قائد ابوسفیان گفت وشنید اور تجدید عہد کے لیے مدینہ منورہ آیا تو اسے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ بعض لوگ اس واقعے کو بنیاد بنا کر اعتراض کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ امن چاہتے تھے اور تجدید عہد کے لیے تیار تھے تو آپ ﷺ نے امن کا معاہدہ دوبارہ کیوں نہیں کیا؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اب عسکری اعتبار سے طاقت ور ہو چکے تھے، جبکہ امن کا خواہاں کمزور فریق ہی ہوتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا، صلح حدیبیہ مسلمانوں کی کمزوری کی آئینہ دار نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے زمینی حقائق کے ادراک اور واقعیت پسندی پر مبنی آپ ﷺ کی قائدانہ بصیرت کارفرما تھی۔ بالکل اسی طرح ابوسفیان کی ناکامی کے پیچھے نہ تو اس کی کمزوری کا ہاتھ تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی عسکری قوت کا کوئی کردار تھا۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے بنیادی طور پر واقعیت پسندی اور زمینی حقائق کے ادراک کا ثبوت دیا۔ اسے ہم Threat Perception (خطرے کی پیش بینی) کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ بھانپ لیتے ہیں کہ اہل مکہ کی تجدید عہد کی پالیسی کے پیچھے time gaining factor اور عہد شکنی کی خواہش کارفرما ہے، کیونکہ یہ پہلے بھی معاہدے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو چکے ہیں اور اب بھی اپنی طاقت کی بحالی کے لیے امن ومعاہدہ کو بطور ''ہتھیار'' استعمال کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے بعد مسلمانوں سے حساب چکایا جا سکے۔ ہماری اس رائے کو سیرت نگار ابن ہشام کے اس بیان سے مزید تقویت ملتی ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد اہل مکہ نے بغاوت کی اور مکہ کے مسلم گورنر عتاب بن اسید کو پہاڑوں میں روپوش ہونا پڑا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ اس بغاوت کے پیچھے سماجی منظوری (Social Approval) موجود نہیں تھی، اس لیے یہ کوئی بڑا خطرہ بنے بغیر ہی دم توڑ گئی، لیکن یہ بغاوت بہرحال آپ ﷺ کی Threat Perception پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہے۔ اس طرح مدنی سماج کی اسلامائزیشن اور ریاستی پالیسی میں Retreat اور Threat Perception جیسی اقدار بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ان دونوں قدروں کے پیچھے بنیادی طور پر ایک ہی اصول یعنی واقعیت پسندی اور زمینی حقائق کا ادراک کارفرما نظر آتا ہے، اس لیے یہ اصول، معاشرت وریاست کی اسلامی شناخت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے حضرت خالد بن ولید نے غزوہ موتہ میں مسلمانوں کو مزید جانی نقصان سے بچانے کے لیے پسپائی اختیار کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انھیں ملامت کرنے کے بجائے اس کی تحسین کی۔ وصال نبوی کے بعد صدیق اکبر نے بھی Threat Perception کو بروے کار لاتے ہوئے منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کو کوئی رعایت دینے کے بجائے ان کے خلاف فوری اقدام پر اصرار کیا۔ بعد کے ادوار میں بھی جب تک اسلامی معاشرے اور ریاستی قیادت نے زمینی حقائق کے ادراک اور واقعیت پسندی پر مبنی Retreat اور Threat Perception کا برمحل مظاہرہ کیا، اس وقت تک مسلمان مغلوب ہونے سے بچے رہے۔

فتح مکہ اور ہجرت

۸ ہجری میں نبی پاک ﷺ اسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے جہاں سے انھیں نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے، حالانکہ مکہ میں بیت اللہ بھی ہے اور اسے آپ ﷺ کے آبائی وطن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ ﷺ جب مکہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے تو فرمایا تھا:

واللہ انك لخیر ارض الله واحب ارض الله الی الله ولو لا انی اخرجت منك ما خرجت (ترمذی)

''خدا کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ فتح یاب ہونے کے بعد آپ مکہ میں رہائش پذیر کیوں نہیں ہوئے؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے انصار سے 'عہد' کیا تھا کہ کامیاب ہونے کے بعد آپ ﷺ انھیں چھوڑ کر اپنی قوم سے نہیں جا ملیں گے۔ (بیعتِ عقبہ ثانی) پھر فتح مکہ کے بعد ایک موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی اور قریش مکہ کو نوازا گیا تو اس سے بعض انصار ملول خاطر ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ؟ انصار بے ساختہ پکار اٹھے! ہمیں اور کچھ نہیں، صرف محمد ﷺ چاہیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہاں بھی آپ ﷺ کا مدینہ واپسی کا فیصلہ سابقہ عہد کی پاسداری کی خاطر تھا؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو یہ ایک سطحی جواب ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے غلبہ پانے کے بعد انصار کا ساتھ نہ چھوڑنے کا عہد کیا تھا، نہ کہ ان کے ساتھ مستقل رہائش پذیر ہونے کا۔ فتح مکہ کے بعد، مکہ میں رہتے ہوئے بھی آپ ﷺ انصار کا ساتھ دینے کی پوزیشن میں تھے کیونکہ اب مکہ اور مدینہ دونوں، اسلامی ریاست کا باقاعدہ حصہ تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے کا فیصلہ آپ ﷺ کی قیادت کا ناگزیر تقاضا تھا۔ اگر آپ ﷺ مکہ میں رہنے کا فیصلہ کر لیتے تو مہاجرین کی ایک لمبی قطار آپ ﷺ کی اتباع کے لیے تیار کھڑی ہوتی، جس سے نہ صرف مکہ اور مدینہ میں نئے مسائل جنم لیتے بلکہ آئندہ بھی ہر زمانے کے مہاجر اپنے سابق علاقے اور املاک وغیرہ پر اپنا حق جتانے کی کوشش کرتے۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں ہر دور میں شدید پیچیدگیاں پیدا ہوتیں۔ اس سلسلے میں سیرت النبی ﷺ ابن ہشام میں درج یہ واقعہ کافی اہم معلوم ہوتا ہے کہ جب بنی جحش نے ہجرت کی تو ابوسفیان نے ان کا مکان بنی عامر بن لوئ کے ایک شخص عمرو بن علقمہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب عبداللہؓ بن جحش کو اس کی خبر مدینہ میں پہنچی تو انھوں نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ خدا اس کے بدلے تم کو جنت میں ایک محل عنایت کرے؟ عبداللہ نے عرض کیا، ہاں میں راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بس وہ محل تمھارے لیے ہے۔ فتح مکہ کے بعد ابو احمد نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں اس مکان کے بارے میں سوال کیا جس کو ابوسفیان نے فروخت کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں نے کہا اے ابو احمد! آپ ﷺ ان چیزوں کے بارے میں جو کفار کے تصرف میں چلی گئیں، کلام کرنا پسند نہیں فرماتے۔ پس ابو احمد بھی خاموش ہو رہے۔

ہجرتِ نبوی کی توسیعی معنویت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہجرت کا واقعہ ظاہری لحاظ سے زمان و مکان میں محدود ہونے کے باوجود معنوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحاظ سے ابدی اور آفاقی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی علاقے سے دوسرے علاقے میں ہجرت کرنا، اپنی نوعیت کے اعتبار سے اضافی ہے کہ اس کے پیچھے ارضی تقاضے کارفرما ہوتے ہیں۔ اصل ہجرت، رویے کی ہجرت ہے:

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (العنکبوت ۲۹/۲۶)

”سو ایمان لائے اس پر صرف لوطؑ اور انھوں نے کہا میں ہجرت کرتا ہوں اپنے رب کی طرف، بے شک وہی ہے زبردست اور حکمت والا“۔

یہ درحقیقت رویے کی ہجرت ہی ہوتی ہے جو انسان کو مقابل قوتوں کو مغلوب کرنے کے لیے علاقہ چھوڑنے کی ”حکمتِ عملی“ اپنانے کا درس دیتی ہے۔ علاقے سے ہجرت، رویے کی غیر اضافی ہجرت کی آبیاری کا مزید سامان فراہم کرتی ہے۔ ان معنوں میں انسان کی بہشت سے بے دخلی کوئی سزا نہیں، بلکہ ربِ کائنات کی بیش بہا حکمت کا اظہار ہے۔ یہ بے دخلی کسی کمی (بے عزمی) کی بیش تلافی (Over Compensation) کی علامت ہے اور ابلیس کی شیطانیت کو سزا اور چیلنج بھی۔ اس تناظر میں ہم اس مضمون کے اختتام پر ان پہلوؤں کی طرف خاص طور پر اشارہ کرنا چاہیں گے جن سے ہجرت نبوی کا یہ معنوی اور آفاقی پہلو خاص طور پر اجاگر ہوتا ہے۔

۱۔ جب تک حضرت ابوطالب سردار تھے، آپ ﷺ نے ہجرت نہیں کی، بلکہ مشیتِ الٰہی کے مطابق ابولہب کے سردار بننے کا انتظار کیا۔ اس سے نبی خاتم ﷺ کی حیاتِ مطہرہ کا ایک خاص پہلو سامنے آتا ہے، کیونکہ ابولہب کا سردار بننا اور اس کے دور میں آپ ﷺ کا ہجرت کرنا، آپ ﷺ کی خاتمیت کا اہم تقاضا تھا۔ ابوطالب اگرچہ، معروف تاریخی روایت کے مطابق آپ پر ایمان نہیں لائے، لیکن بہر حال وہ متکبر نہیں تھے۔ اس کے برعکس ابولہب اپنی کنیت کے مصداق ایسا دہکتا ہوا شعلہ تھا جو ناحق متکبر تھا، ابلیس کی مانند اور ابلیس کا پیرکار۔ اگر ابلیس نار تھا تو ابولہب اسی کا معنوی مشتق اور پرتو تھا۔ اس لیے ابولہب کے سردار بننے کے بعد نبی خاتم ﷺ کی ہجرت خاصی معنی خیز ہو جاتی ہے۔ ابولہب کی سرداری کے دور میں آپ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے مدینہ کی حیثیت ایک پہلو سے پوری زمین کے مثل ہو جاتی ہے۔ جس طرح آدمؑ مہاجر بنا کر زمین پر اتارے گئے تھے، ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ مخصوص وقت تک کے لیے، اسی طرح آپ ﷺ بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ مخصوص وقت کے لیے کرتے ہیں، جہاں سے نکالے گئے تھے وہاں جانے کا سامان پیدا کرنے کے لیے، کہ ہجرت وسیع تر مفہوم میں کسی کمی کی تلافی کا ہی نام ہے۔ آپ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کا مخصوص وقت فتح مکہ پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن کیونکہ مدینہ کی ایک حیثیت پوری زمین کے بھی مثل ہے، وہ زمین جہاں اولادِ آدمؑ کو اپنا مخصوص وقت گزارنا ہے، اس لیے اس وقت کے خاتمے تک، نبی خاتم ﷺ ہونے کے ناتے اولادِ آدمؑ کی راہنمائی کے لیے آپ ﷺ اپنی مہاجرت کا تسلسل فتح مکہ کے بعد بھی مدینہ (پوری زمین کے مثل) میں جاری رکھتے ہیں۔

۲۔ اس ضمن میں واقعہ معراج بھی قابل توجہ ہے۔ ابنِ ہشام کے مطابق واقعہ معراج کے موقع پر بعض لوگ مرتد ہو جاتے ہیں، جبکہ حضرت ابوبکرؓ، صدیقِ اکبرؓ بن جاتے ہیں۔ اس واقعے پر کفار کے استہزا اور تمسخر کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ انفرادی حیثیت میں شخصی عزم اور اجتماعی حیثیت میں گروہی عزم کی پختگی کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت انھیں ایسے بے پایاں، گراں قدر، بیش بہا اور انمول تحفے سے نوازتے ہیں جو اپنی نوعیت میں بیک وقت شخصی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گروہی ہے۔ ہماری مراد نماز سے ہے۔ گروہی ہجرت سے قبل، معراج کے موقع پر نماز کی فرضیت کے احکامات کا اترنا بہت معنی خیز ہے۔ اللہ رب العزت نے رویے کی ہجرت کی طرف واضح اشارہ کرنے، اسے مطلوب ومقصود ٹھہرانے اور علاقائی ہجرت کی اضافیت کے مقابلے میں رویے کی ہجرت کی غیر اضافیت کے پیش نظر ہی ہجرتِ مدینہ کے بعد نہیں بلکہ اس سے قبل نماز کی فرضیت کے احکامات نازل فرمائے۔ حقیقت میں نماز کی پانچ وقت با جماعت فرضیت، سماج اور ہجوم کے جبر کے خلاف مخلصین کی صف آرائی ہے۔ یہ سماجی شیطانیت کی شناخت کی جیتی جاگتی علامت ہے۔ یہ سوسائٹی کے ظاہری و باطنی فواحش اور ظلم واستحصال کے مقابل، افراد کی گروہی ہجرت ہے۔ ایسا سماج جہاں نماز کی پانچ وقت با جماعت ادائیگی کا پورا اہتمام کیا جاتا ہو، وہاں کے افراد کا دنیاوی مال واسباب کو تج دے کر شیطانی قوتوں کے مقابل آنا اور اس مقابلے میں ''حکمت عملی'' کے طور پر بعض اوقات اپنا علاقہ تک چھوڑ جانا ناممکن نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے افراد سوسائٹی کے لازموں سے کنارہ کشی کا عمل ہر روز پانچ بار دہرا چکے ہوتے ہیں۔

۳۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کی مدینہ واپسی میں بھی لطیف حکمت پوشیدہ ہے۔ فتح مکہ کے بعد آپ کی مہاجرت ظاہری اعتبار سے ختم ہوگئی تھی، اس لیے کہ جس وجہ سے آپ ﷺ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، وہ وجہ ختم ہوگئی۔ باطل مٹ گیا اور حق چھا گیا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اسی پہلو کو واضح کرتا ہے:

لا هجرة بعد الفتح (صحیح بخاری)

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔''

تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح، جو مہاجرت کے بعد ملی، درحقیقت اس فتح کی ارضی علامت ہے جو آپ ﷺ کی خاتمیت کے پیش نظر آپ ﷺ کے توسط سے اولادِ آدمؑ میں سے ''مخلصین'' کو ابلیس کے چیلنج کے جواب میں ملنی ہے اور یہ مخلصین اس بہشتِ بریں پر دوبارہ قدم رکھیں گے، جہاں سے انھیں ابلیس کی شیطانیت کے سبب مہاجر بنا کر زمین پر بھیج دیا گیا تھا۔ یہ مکمل فتح، آپ ﷺ کی خاتمیت کے وجوہ جواز میں سے ایک وجہ بھی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ بیت اللہ کو مشرکین سے پاک کرنے کے بعد، اپنی مہاجرت کو جاری رکھتے ہوئے فتح مکہ کو معرکہ خیر وشر کے تناظر میں ''علامتی فتح'' کے طور پر لیتے ہیں اور مکہ میں مستقل طور پر نہ ٹھہرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں، کیونکہ اگر مکہ میں قیام فرماتے تو آپ کی مہاجرت مکمل طور پر ختم ہو جاتی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ہجرت کی اسی ابدی معنویت کو یوں واضح فرمایا:

والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب (ابن ماجہ)

''اور مہاجر درحقیقت وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے کنارہ کشی کر لے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت، رویے میں ہجرت ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی، مہاجرین کی ہجرت کا اختتام نہیں ہوا، بلکہ یہ مہاجرت جاری ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نبی خاتم ﷺ کی سرگزشتِ حیات، ایک پہلو سے آدمؑ کے گم گشتہ عزم کی بازیافت سے عبارت ہے۔ وہی عزم، جس کی شکستگی کے سبب آدمؑ اپنے عہد سے غافل ہو گئے تھے۔ یوں نبی خاتم ﷺ کی قیادت میں اولادِ آدمؑ میں سے مخلصین کے ایک گروہ نے ابلیس کی شیطانیت کے مقابل، خدا سے کیے گئے عہد کی پاسداری میں مصمم عزم کا اظہار کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اس فتح کا علامتی اظہار کر دیا ہے جو نوعِ انسانی کے مخلصین کا حتمی مقدر ہے۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہجرت مدینہ سے کیا، حالانکہ بعثت نبوی، غزوہ بدر، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ وغیرہ جیسے اہم واقعات بھی موجود تھے جن سے اسلامی سنہ کا آغاز کیا جا سکتا تھا۔ صحابہ کے مابین اس ضمن میں بحث مباحثہ بھی ہوا، لیکن باہمی اتفاق سے ہجرت مدینہ کو ہی اسلامی کیلنڈر کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا۔ معنوی لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے خاتمے تک سن ہجری بھی جاری ہے اور اس واقعے میں مضمر حکمت بھی تسلسل کی حامل ہے۔ لہٰذا جب تک انسان اس زمین پر موجود ہے، نبی خاتم ﷺ کی مہاجرت اسے پورے عزم کے ساتھ ابلیسی تکبر کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی دعوت دیتی رہے گی۔

حواشی

(۱) فترۃ الوحی کے دوران میں آپ ﷺ انتہائی صبر آزما کیفیات سے گزر رہے تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ اس قدر رنجیدہ خاطر ہوتے کہ کئی بار خود کو گرانے کے ارادے سے پہاڑ پر چڑھتے۔ اس وقت جبریلؑ ظاہر ہوتے اور فرماتے: ''محمد! بلا شبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔ یہ الفاظ سن کر آپ ﷺ کا اضطراب رفع ہو جاتا اور دل مطمئن ہو جاتا۔

ہمیں ایسی روایات کو قبول کرنے میں تامل ہے، کیونکہ خود کو پہاڑ سے گرانے کے ارادے کی بات عزم کی اس ''کاملیت'' سے لگا نہیں کھاتی جو غارِ حرا میں نفسی ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھی۔ آپ ﷺ فترۃ الوحی کے زمانے میں یقیناً بے قراری کی کیفیات سے گزرے اور اسی سے آپ ﷺ کا عزم کامل ہوا اور آپ ﷺ سے عہد لیا گیا، لیکن اس دوران بے قراری سے مغلوب ہو کر آپ ﷺ کبھی بھی خود کو گرانے کے ارادے سے پہاڑ پر نہیں چڑھے۔ بالفرض ایسی روایات کو قابل اعتنا سمجھا جائے تو یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ فترۃ الوحی کے زمانے تک اللہ رب العزت نے آپ ﷺ سے کوئی ''عہد'' نہیں لیا تھا۔ شاید وحی کا انقطاع (آپ ﷺ سے عہد لینے کے پیشِ نظر) آپ ﷺ کے عزم کی کاملیت کی خاطر ہی کیا گیا۔ چنانچہ عہد لیے جانے سے قبل آپ ﷺ کے عزم کا مضمحل ہونا، کسی قسم کی عہد شکنی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اس کے برعکس آدمؑ، شجرِ ممنوعہ کے قریب نہ جانے کا عہد کر کے، بے عزم ہوئے اور بھولے تھے۔ فترۃ الوحی سے قبل اور بعد کی آیات پر اس حوالے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) حضرت زبیر بن العوامؓ، سابقون میں سے تھے اور غالباً پانچویں مسلمان تھے۔ اپنے چچا کے مظالم کا شکار ہوئے۔ حضرت سعید بن زیدؓ کو ان کے چچازاد بھائی حضرت عمر نے، جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، مشکیں باندھ کر خوب پیٹا۔ حضرت عثمانؓ بھی تختہ مشق بنے۔ حضرت بلال حبشیؓ کی زبان سے جس کیفیت میں ''احد، احد'' کا کلمہ حق جاری ہوا، تاریخ کا ہر طالب علم اس سے آگاہ ہے۔ اسی طرح حضرت خبابؓ، حضرت عمارؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت ابوفکیعہؓ، حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ، حضرت ام عبیسؓ کی عزیمت کی داستانِ خونچکاں بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق بھی، جنھیں قریش میں اعلیٰ مرتبہ و مقام حاصل تھا، کفار کے جور و ستم کا نشانہ بنے۔

(۳) پروفیسر محمد اکرم ورک نے ''صحابہ کرامؓ کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ'' کے صفحہ ۸۴ پر اس روایت کو البدایۃ ۳/ ۲۹، ۳۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۴) آبا پرستی اور اکابر پرستی ایسا مرض ہے جو نوعِ انسانی کے ہاں ہر دور اور ہر علاقے میں موجود رہا ہے اور حق بات کی قبولیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بنیادی رکاوٹ ثابت ہوا ہے۔قرآن مجید نے اسی لیے مختلف مقامات پر اس پر سخت گرفت کی ہے۔(البقرہ۲/ ۱۷۰، المائدہ ۵/۱۰۴، الاعراف ۷/ ۲۸، یونس۱۰/ ۷۸، الانبیاء۲۱/ ۵۲۔۵۴، لقمان ۳۱/ ۲۱، الزخرف ۴۳/ ۲۲۔۲۴، سبا۳۴/ ۴۳) قابلِ غور بات یہ ہے کہ قصہ آدم وابلیس میں اللہ رب العزت کے اس استفسار پر کہ ابلیس کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا، ابلیس کا جواب اپنے اندر ہمارے لیے ایک پیغام رکھتا ہے۔ابلیس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے۔ (قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ۔ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ / قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۔ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ) ذرا غور کیجیے کہ ابلیس، اللہ رب العزت کو خالق تسلیم کر رہا ہے اور ام کنت من العالین کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے سڑی ہوئی مٹی سے۔پھر ابلیس کو دوبارہ اٹھائے جانے کا بھی یقین ہے قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ اسی آیت میں وہ اللہ رب العزت کو ''اے میرے رب'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور پھر قسم بھی اللہ کی عزت کی کھاتا ہے: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو مردود (رجیم) قرار دینے، روزِ جزا تک اس پر لعنت بھیجنے (وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ) اور جہنم کو اس سے اور اس کے پیروکاروں سے بھرنے کے پیچھے (أَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ) آخر کون سی غلطی کارفرما ہے؟

قرآن کے مطابق اس کی غلطی، خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے آدمؑ کو سجدہ نہ کرنا اور سجدہ نہ کرنے کا یہ جواز بیان کرنا ہے کہ میں آگ سے پیدا کیے جانے کی بنا پر آدمؑ سے بہتر ہوں۔قرآن، نافرمانی اور برتری کے ابلیسی منہج کو تکبر پر محمول کرتے ہوئے اسے کفر گردانتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ان آیات کا فہم، ایسے آبا پرست اور نسل پرست لوگوں کے لیے سخت انتباہ ہے جو ابلیس کی مانند اگرچہ اللہ رب العزت کو خالق تسلیم کرتے ہیں، دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین رکھتے ہیں لیکن ابلیس کے تتبع میں اپنی پیدائشی حیثیت کو دوسروں پر برتری کی سند سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۔اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد جب نبی خاتم ﷺ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کو نزولِ وحی کا سارا ماجرا سنایا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے آپ ﷺ کی جس پہلی صفت کا ذکر کیا، وہ صلہ رحمی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نسل پرستی کی تہذیب کر کے صلہ رحمی کو انتہائی پسندیدہ عمل قرار دیتا ہے۔ جہاں تک تفوق و برتری کا تعلق ہے، قرآن کے نزدیک اس کا مدار پیدائشی حیثیت کے بجائے شخصی خصوصیات پر ہے ۔ ملاحظہ کیجیے الزخرف ۴۳/ ۳۲ ، الاحقاف ۴۶/ ۱۹ ، آل عمران ۳/ ۱۶۲۔۱۶۳، الانعام ۶/ ۱۳۲ و ۶/ ۱۶۵، الحدید ۵۷/ ۱۰، النحل ۱۶/ ۷۶، المومن ۴۰/ ۵۸، القلم ۶۸/ ۳۵، الحشر ۵۹/ ۲۰، الزمر ۳۹/ ۰۹، ہود ۱۱/ ۲۴۔

(۵) یقیناً نبی خاتم ﷺ کے ذہنِ مبارک میں ورقہ بن نوفل کے یہ الفاظ بھی ہوں گے جو اس نے کعبہ کے نزدیک ملاقات کے موقع پر آپ ﷺ سے کہے تھے:

''خدا کی قسم! آپ ﷺ اس امت کے پیغمبر ہیں اور جو ناموس موسیٰ پر نازل ہوا تھا، وہی آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کریں گے، اذیتیں پہنچائیں گے، اپنے شہر سے جلاوطن کر دیں گے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ان کی لڑائیاں ہوں گی۔اگر میں اس وقت تک بقیدِ حیات رہا تو حق کی حمایت کروں گا۔''

(۶) اس سلسلے میں یہ واقعہ بھی اہم ہے: ''ابنِ اسحاق کہتے ہیں، مجھ سے بعض اہلِ علم نے بیان کیا کہ حضرت حلیمہؓ جب دودھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھڑانے کے بعد آپ ﷺ کو واپس لائیں تو اس کا سبب یہ تھا کہ حبشہ کے چند نصاریٰ نے حضور ﷺ کو حلیمہؓ کے پاس دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کو ہم اپنے شہر لے جاتے ہیں، کیونکہ یہ لڑکا صاحبِ ظہور معلوم ہوتا ہے۔ پس اس شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی اندیشے سے حضرت حلیمہؓ حضور ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچا گئیں''۔ (سیرت النبی ﷺ/ابنِ ہشام)

(۷) ان نصاریٰ کے بارے میں ابنِ اسحاق یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے مطابق ان کا تعلق قصبہ نجران سے تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآنی آیات (القصص ۲۸:۵۲تا۵۵) انہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ شہاب زہری سے ان آیات کی نسبت سوال کیا کہ یہ کن لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں تو انھوں نے کہا، ہم اپنے استادوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ آیات نجاشی شاہ حبش اور اس کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور سورۃ (مائدہ ۵:۸۳) بھی انہی کی شان میں نازل ہوئی۔

(۸) نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ عقد مکی دور میں ہو گیا تھا لیکن رخصتی بعد میں ہوئی۔ اسی دور میں آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ سے نکاح کر لیا تھا جو ایک مسلمان کی بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر حبشہ سے واپسی پر مکے میں انتقال کر گئے تھے۔ تقریباً انہی ایام میں واقعہ معراج ہوا۔ سیرت ابنِ ہشام کے مطابق واقعہ معراج کے متعلق شکوک میں مبتلا ہو کر بعض نومسلم مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت امِ حبیبہ کے ساتھ آپ کا نکاح غالباً واقعہ معراج کے بعد مدنی دور میں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعہ معراج اور آپ ﷺ کے وصال کے کے درمیانی عرصے میں آپ ﷺ کا عقد حضرت امِ حبیبہؓ سے ہوا۔ اس لیے اگر تاریخی شواہد میسر آسکیں تو تقابلی انداز میں معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعہ معراج کے بعد کے مرتدین کی بیویوں کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل کیا تھا۔ (کیونکہ ابھی آپ ﷺ نے حضرت امِ حبیبہؓ سے عقد نہیں کیا تھا) اور پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد مرتدین کی بیویوں سے اصحابؓ نے کیا رویہ اختیار کیا۔ (ظاہر ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کا عقد ہو چکا تھا) اس حوالے سے اسلامی تاریخ کے تنقیدی مطالعے کی ضرورت ہے۔ بعض شواہد کے مطابق مدنی دور میں بھی بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ ایسے لوگ مدینے کی آب و ہوا کے ہاتھوں بیماری کا شکار ہوئے اور صبر نہ کرنے کے باعث اسلام سے منحرف ہو گئے۔ انھی کے متعلق رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

انما المدینة کالکیر تنفی خبثها و تصنع طیبها (بخاری و مسلم)

''مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جو گندگی کو نکال دیتا ہے اور پاکیزگی کو صیقل کر دیتا ہے۔''

سورۃ الممتحنۃ کی آیت ۱۰ اسے مذکورہ موضوع پر کام کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

(۹) سیرت النبی ﷺ/ابنِ ہشام کے مطابق نجاشی نے ایک کاغذ پر لکھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ بن مریمؑ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس کی روح اور اس کے کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ پھر اس کاغذ کو نجاشی نے اپنے کرتے کے اندر دائیں شانہ کے پاس رکھ لیا اور حبشیوں کے مقابلے میں جنگ کی صفیں آراستہ کیں۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا، اے گروہِ حبشہ! کیا میں تم میں سلطنت کا زیادہ حق دار نہیں ہوں؟ سب نے کہا، بے شک ہو۔ نجاشی نے کہا تم نے میری سیرت اور عادات کیسی دیکھیں؟ سب نے کہا، بہت اچھی۔ نجاشی گویا ہوا، پھر کیا وجہ ہوئی کہ تم مجھ سے یکدم بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہو؟ سب نے کہا، چونکہ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا اور تم کہتے ہو کہ عیسیٰؑ بندے تھے، اسی لیے ہم تمھارے مخالف ہیں۔ نجاشی نے کہا، پھر تم عیسیٰؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حبشیوں نے کہا، ہم ان کو خدا کا فرزند کہتے ہیں۔ نجاشی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ عیسیٰ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا، میں اس پر گواہی دیتا ہوں۔ نجاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے تو اپنے دل میں اس کاغذ کی طرف اشارہ کیا تھا جو اس نے لکھ کر کرتے کے اندر رکھا ہوا تھا، جبکہ حبشیوں نے یہ سمجھا کہ اس نے ہمارے قول کی تصدیق کی ہے۔ سب خوش ہو گئے اور ان کی مخالفت ختم ہو گئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر یہ خبر حضور ﷺ کو بھی پہنچی۔ اس کے بعد جب نجاشی شاہ حبش کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

(۱۰) ابنِ اسحاق کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے گھر والوں میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے، جب میں اسلام لایا تو اسی رات کو میں نے خیال کیا کہ قریش میں سے جو شخص رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ عداوت رکھتا ہو، جا کر پہلے اس کو اپنے اسلام لانے کی خبر بتاؤں۔ میں نے دل میں کہا کہ ابو جہل سے بڑھ کر کوئی شخص حضور ﷺ کا دشمن نہیں ہے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی میں ابو جہل کے گھر گیا (ابو جہل، حضرت عمرؓ کا سگا ماموں تھا) اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابو جہل نے آ کر دروازہ کھولا، اور مجھے دیکھ کر کہا، آؤ میرے بھانجے آؤ، خوب آئے، کیونکر آئے؟ میں نے کہا، میں اس واسطے آیا ہوں کہ تم کو بھی اپنے اسلام لانے کی خبر کر دوں۔ میں خدا اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے۔ میرے یہ کہتے ہی ابو جہل نے دروازہ بند کر لیا اور کہا، خدا تجھ کو خراب کرے اور اس خبر کو بھی جو تو لے کر آیا ہے۔ (سیرت النبی ﷺ/ابنِ ہشام)

اس سلسلے میں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک افواہ پھیلی کہ قریش نے نبی مکرم ﷺ اور ان کے اصحابؓ کی دل آزاری ترک کر دی ہے۔ اس کے نتیجے میں حبشہ سے مہاجرین واپس آنا شروع ہو گئے۔ واپسی پر انھیں معلوم ہوا کہ حالات اتنے اچھے نہیں ہیں تو کچھ واپس حبشہ چلے گئے اور کچھ مکہ میں ہی رہنے لگے۔ اس افواہ کو عام طور پر ''داستانِ غرانیق'' سے منسلک کیا جاتا ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مستشرقین کے علاوہ بعض مسلم مصنفین نے بھی داستانِ غرانیق کو درست تسلیم کیا ہے، حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جہاں تک حبشہ کے ان مہاجرین کا تعلق ہے جو حالات کی بہتری کا سن کر مکہ واپس آ گئے تو اس کے اسباب حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام میں تلاش کیے جانے چاہییں، کیونکہ ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو یکدم تقویت ملی اور کفار کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ فاروقِ اعظمؓ کے قبولِ اسلام سے کفار جس جذباتی و نفسیاتی دھچکے کا شکار ہوئے، اس سے نکلنے میں انھیں کچھ وقت لگا۔ اسی عرصے میں ان کے مظالم میں کمی واقع ہوئی ہو گی اور اس سے غلط طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہو گا کہ آپ ﷺ کا قریش کے ساتھ کوئی ''سمجھوتہ'' ہو گیا ہے۔

(۱۱) عرب کلچر میں ''پناہ'' دینے کا عام رواج تھا۔ دشمن بھی پناہ مانگتا تو وہ اس سے انکار نہیں کرتے تھے۔ اس لیے پورے مکی دور میں ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں مشرکوں نے نومسلموں کو پناہ دی۔ حتیٰ کہ خود نبی پاک ﷺ بھی سفرِ طائف کے بعد، معاشرتی مقاطعہ کو ختم کرنے میں کلیدی کردار ادا کرنے والے مطعم بن عدی کی پناہ میں رہے۔ ذرا غور کیجیے کہ ایسا کلچر جس میں پناہ دینے جیسی روایات موجود ہوں اور لوگ ان پر سختی سے کاربند بھی ہوں، وہاں معاشرتی مقاطعہ کیا ایک انتہائی اقدام نہیں تھا؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ مکی سوسائٹی اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ اور داخلی لحاظ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

(۱۲) اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ حبشہ سے جو مہاجرین واپس مکہ آئے، ان میں سے ابو سلمہ بن عبد الاسد نے اپنے ماموں حضرت ابو طالب کی پناہ لی۔ بنی مخزوم کے کچھ لوگ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو تو خیر سے پناہ دے ہی رکھی ہے، مگر ہمارے بھائی ابو سلمہ کو تم نے پناہ کیوں دی ہے؟ حضرت ابو طالب نے کہا، وہ میرا بھانجا ہے۔ اگر بھتیجے کو پناہ نہ دیتا تو بھانجے کو بھی پناہ نہ دیتا۔ اس پر ابو لہب نے ان مخزومیوں سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے بزرگ ابو طالب کو ستاتے ہو اور طرح طرح کی باتیں کہتے ہو، اگر تم لوگ باز نہ آئے تو یاد رکھو، میں بھی ہر ایک کام میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا۔ ابولہب کے یہ کہنے سے وہ لوگ متنبہ ہوئے اور کہنے لگے ہم کچھ نہیں کہتے، ہم جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوطالب نے چند شعر کہے، جن میں ابولہب کی تعریف کی ہے اور اسے حضور ﷺ کی امداد پر آمادہ ہونے کو کہا ہے۔ (سیرت النبی ﷺ / ابنِ ہشام)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرتِ حبشہ سے ابولہب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور وہ معاشرتی مقاطعہ سے قبل، کم از کم قبائلی عصبیت کی بنا پر اپنے قبیلے کے ساتھ کھڑا ہونے کے لیے تیار ہو سکتا تھا، لیکن معاشرتی مقاطعہ میں اپنے قبیلے کے مقابل کھڑے ہو کر اس نے آپ ﷺ کے ساتھ بالواسطہ تعلق وحمایت کی راہ بھی مسدود کر دی۔

(۱۳) عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان مکی سماج کے بے حیثیت لوگ تھے، اسی لیے انھیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔ ہمیں اس سے اختلاف ہے کیونکہ جو مسلمان سب سے زیادہ پسے ہوئے تھے، مثلاً حضرت یاسرؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ وغیرہ، انھوں نے ہجرت نہیں کی۔ اس کی وجہ ان کی بے سروسامانی بھی ہو سکتی ہے لیکن ہماری نظر میں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اصحابؓ کے ہجرت کرنے سے مکی سماج میں بھونچال نہیں آ سکتا تھا، کیونکہ اس وقت کے مخصوص مکی کلچر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے برعکس صاحبِ حیثیت افراد کی ہجرت سے ایک تو مکی سماج کو زبردست دھچکا لگا، دوسرا خود یہ اصحابؓ بھی ہجرت کی سنگلاخ راہوں سے گزر کر کندن بن گئے۔ حقیقت میں کفارِ مکہ کی دست درازیاں جب صاحبِ حیثیت لوگوں تک پہنچیں تو آپ ﷺ نے ان اصحابؓ کے شخصی عزم کو شکستگی سے بچانے اور گروہی عزم میں پختگی لانے کی خاطر ہجرت کا حکم دیا۔ وہ اصحابؓ جو سماجی اعتبار سے بے حیثیت ہونے کے باوجود کفار کے مظالم کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے، وہ تو ہجرت کے بغیر ہی شخصی عزم کی دولت سے مالا مال تھے۔

(۱۴) یہاں ایک اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ صدیقِ اکبرؓ نے ہجرت کی بھی اور نہیں بھی کی۔ اس طرح وہ مہاجرین اور غیر مہاجرین، دونوں گروہوں میں بیک وقت شامل کیے جا سکتے ہیں۔

(۱۵) پروفیسر محمد اکرم ورک کی تحقیقی کاوش ''صحابہ کرامؓ کا اسلوبِ دعوت وتبلیغ'' یقیناً ایک قابلِ تحسین کام ہے اور اس میں حضرت مصعبؓ کی دعوتی مساعی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، لیکن جو پہلو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، اس حوالے سے اس میں تفصیلی تجزیہ مفقود ہے۔

(۱۶) پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی نے ''عہدِ رسالت ﷺ میں مواخاۃ کا ادارہ'' کے زیرِ عنوان اپنے مقالے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطابق درج ذیل اصحابؓ کے مابین مواخات کرائی گئی تھی:

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثؓ۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف۔

حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود۔

حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔

حضرت عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ۔

حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقع پر حضرت علیؓ نے نبی خاتم ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ نے ان سب کے درمیان تو مواخات کرا دی ہے، میرا بھائی کون ہوگا؟ میں تو اکیلا رہ گیا ہوں۔ چونکہ حضرت علیؓ، سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھارا بھائی ہوں۔ (ملاحظہ کیجیے، شش ماہی السیرۃ عالمی،/شمارہ ۶/نومبر ۲۰۰۱)

(۱۷) اسلام کے تصورِ ہجرت کے ایک عجیب وغریب اطلاق کی مثال ہمیں بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ملتی ہے۔ برِ صغیر میں تحریکِ خلافت کے دوران میں بعض علما نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کے مطابق مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ بیس ہزار کے لگ بھگ مسلمان، جن میں زیادہ تر سندھ اور پنجاب جیسے زرعی علاقوں سے تھے، اپنی جائیدادوں کو اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ فتوی ہر پہلو سے اسلامی تصورِ ہجرت سے مغایرت alienation کا حامل تھا، اس لیے انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور غیر دانشمندانہ تھا۔ نہ تو ہجرت سے قبل افغانستان میں ''مستقر ومتاع'' کا انتظام کیا گیا تھا اور نہ ہی سندھ اور پنجاب کے مسلمانوں کی پیشہ وارانہ صلاحیت (زراعت سے وابستگی) کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا تھا۔ اس لیے اس نام نہاد تحریکِ ہجرت کے انتہائی مضر اثرات برآمد ہوئے اور نا مساعد حالات کا شکار مسلمان، جانی ومالی نقصان اٹھا کر مزید مشکلات میں گھر گئے۔

(۱۸) مرد تو ایک طرف رہے، بدر میں شکست کے بعد قریش کی عورتیں بھی منتقم المزاج ہو چکی تھیں۔ حضرت عمیرؓ کی مشرک ماں حناس، صفوان بن امیہ کی بیوی برزہ، عمرو بن عاص کی بیوی ریطہ، ابوسفیان کی بیوی ہند، خالد بن ولید کی بہن اور ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام کی بیوی فاطمہ، ابوجہل کی بھتیجی اور عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی امِ حکیم بنت حارث وغیرہ احد کے میدان میں لشکر کفار کے ساتھ آئی تھیں۔

(۱۹) اس کے برعکس برِ صغیر کے مسلم دورِ حکومت میں ہمیں کبھی فاتح ومفتوح کا تصور ملتا ہے اور کبھی اسلام کی اساسی اقدار پر سمجھوتے کے روح فرسا مناظر سے سامنا ہوتا ہے۔ پہلے رویے کی مثال اورنگ زیب کا دور ہے جبکہ دوسرا رویہ اکبر کے دور میں سامنے آیا۔

(۲۰) میثاقِ مدینہ کا حوالہ دے کر عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست ہجرتِ مدینہ کے بعد قائم ہو چکی تھی۔ یہ بات مکمل طور پر درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے وقت تک اسلامی معاشرہ تشکیل پا چکا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت تک اگرچہ مسلم گروہی عزم پختہ ہو چکا تھا اور مختلف حوالوں سے اپنا اظہار بھی کر رہا تھا لیکن ہجرتِ مدینہ کے وقت تک اسلامی معاشرہ بہرحال قائم نہیں ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد، ریاست اور معاشرہ، بیک وقت اور متوازی انداز میں ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے تکمیل آشنا ہوئے۔ اس لیے یہ بات طے کرنا خاصا مشکل ہوگا کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد معاشرتی حدود کہاں ختم اور ریاستی حدود کہاں شروع ہوئیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ باہم شیر وشکر ہیں، اس لیے ہم یہ کہنے میں شاید حق بجانب ہیں کہ آپ ﷺ کے وصال تک (یا کم از کم فتح مکہ تک) اسلامی معاشرے اور ریاست کا ارتقا مسلسل جاری رہا اور ان کے خط وخال آہستہ آہستہ واضح ہوتے گئے۔

خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی معاشرے اور ریاست کی یکجائی قائم رہی۔ اس لیے جو لوگ فاروقِ اعظمؓ کے دور کی فتوحات کو ریاستی توسیع کے طور پر لیتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ یہ فتوحات درحقیقت، بیک وقت ریاستی وسماجی توسیع سے عبارت ہیں۔ مثلاً عہدِ فاروقی میں فلسطین کی فتح کو اگرچہ ریاستی توسیع میں شمار کیا جا سکتا ہے، لیکن حضرت عمرؓ جس ''شان وشوکت'' سے وہاں تشریف لے گئے، اسے سماجی توسیع کے علاوہ آخر اور کیا نام دیا جائے گا؟ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اگر مصر کو فتح کر کے ریاست کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسیع کیا تھا تو فاروق اعظمؓ نے ان کی رپورٹ کے انداز پر شدید برہمی کا اظہار کر کے سماجی توسیع کی نیو رکھی اور جلد ہی ان کا ایلچی عمرو بن عاصؓ کی نصف جائیداد ضبط کرنے کے احکامات لے کر مصر پہنچ گیا۔ عمرو بن عاصؓ نے ''خراب زمانے'' کا شکوہ کیا کہ ایک معزز شخص سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے تو خلیفہ کے ایلچی نے ریاستی توسیع کے متوازی سماجی توسیع کی علامت بن کر کہا:

''اگر یہ دور نہ ہوتا جس سے تمھیں اتنی نفرت ہے تو تم اپنے گھر کے آنگن میں اپنی بکری کے پاؤں کے پاس اکڑوں بیٹھے ہوتے، اگر اس کا دودھ زیادہ ہوتا تو تم خوش ہوتے اور اگر قلیل ہوتا تو تمھیں فکرمندی دبوچ لیتی۔''

فاتح مصر عمرو بن عاصؓ کو آخر ایک موقع پر کہنا پڑا کہ میری مثال تو اس شخص کی سی ہے جو گائے کے سینگ پکڑے کھڑا ہو، مگر اس کے دودھ سے کوئی اور ہی مستفید ہو رہا ہو، کیونکہ ان کے ہاتھوں میں مالیات کا کنٹرول نہیں تھا۔ فاروق اعظمؓ کا ایلچی ایک خط لے کر فاتح عراق، سعدؓ کے پاس بھی پہنچا، جس میں لکھا تھا:

''میں نے سنا ہے کہ تم نے ایک شاندار محل تعمیر کر لیا ہے اور اس میں لوگوں کے اور اپنے درمیان دروازہ بنا لیا ہے۔ اس میں سے نکل آؤ اور آئندہ کبھی دروازہ لگا کر لوگوں کو نہ روکنا، نہ ان کے حقوق پامال کرنا۔ دروازہ لگانے سے تمھارا مقصد یہ ہے کہ لوگ تم سے ملنے کے لیے اس وقت کا انتظار کریں جب تک کہ تم ان سے ملنے کے لیے تیار نہ ہو جاؤ۔''

مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں ذرا غور کر کے بتائیے کہ عہدِ فاروقی کی فتوحات کیا محض ''ریاستی توسیع'' کے زمرے میں شامل کی جا سکتی ہیں یا ان کے متوازی ''سماجی توسیع'' بھی جھلملا رہی ہے؟ ہاں، یہ ضرور تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد ریاست اور معاشرہ دو الگ الگ دھاروں میں بٹتے چلے گئے اور ہم مسلمان آج تک انھی کے درمیان ربط وتعلق قائم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی ایک ''امیر المومنین'' نے اپنی اسلامیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے سائیکل پر سواری کو رواج دینے کی کوشش کی اور ساتھ ہی ایک عدد ''قصر صدارت'' کی بنیاد بھی رکھ دی، جس کی غلام گردشوں سے گزرنا، ظاہر ہے، کسی عام بندے کے حقوق میں شامل نہیں تھا۔

(۲۱) بیسویں صدی میں یہودیوں نے بھی فلسطین میں Demographic Balance کو اپنے حق میں کرنے کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں کو اس خطے میں آباد کرنا شروع کیا جس سے ان کی عددی اقلیت، اکثریت میں بدلتی چلی گئی۔ اس آبادکاری کی کامیابی کے پیچھے ان کے مواخاتی رویے کو بہت عمل دخل حاصل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کے خلاف چیختی چلاتی مسلم دنیا کو اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے اس گم گشتہ مواخات کو تلاش کرنا چاہیے جو اسلامی معاشرے اور ریاست کی اساس ہے۔ اسلامی نظام اقدار صرف ''مسلمین'' کے لیے نہیں ہے۔ اسلام کا خدا رب العالمین ہے، اسلام کا نبی رحمت للعالمین ﷺ ہے اور اسلام کی اساسی کتاب، قرآن بھی عالمین کے لیے ہے: إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْن (ص ۳۸/۸۷) ''نہیں ہے یہ قرآن مگر ایک یاد دہانی تمام جہان والوں کے لیے''۔

© rasailojaraid.com